فون نمبر: 5863260
5862956
مدیر: چوہدری ریاض احمد
Email: centralanjuman@yahoo.com
رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
قیمت فی پرچہ-/10 روپے

جلد نمبر 96 | 13 ذی الحجہ تا 13 محرم 31 - 1430 ہجری - یکم تا 30 دسمبر 2009ء | شمارہ نمبر 24-23

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

سیّد الشھدا حضرت امام حسینؓ کا مقام، حضرت مجدد صد چھاردھم کی نظر میں

ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں

''میں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع، دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا۔ اور جن معنوں کی رُو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے: ''دیہاتی کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ کہہ! تم ایمان نہیں لائے لیکن کہو ہم مسلمان ہوئے'' (49:14)۔ مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمالِ فاسقانہ ہوں۔ یا غفلت اور کسل ہو، سب سے اپنے تئیں دور لے جاتے ہیں۔ لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔

مگر حسینؓ طاہر و مطہر تھا۔ اور بلاشبہ ان برگزیدوں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے۔ اور ایک ذرّہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے۔ اور اس امام کا تقویٰ اور محبت اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنیوالے ہیں، جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دِل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اُسکی محبت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان، اخلاق، شجاعت، تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ میں ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو انہی میں سے ہے۔ دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دُنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حضرت حسینؓ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسینؓ سے بھی محبت کی جاتی۔''

''ہم بصیرتِ تام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین یقین کرتے ہیں''

حضرت بانئی سلسلہ احمدیہ کا نہایت واضح اور اہم بیان

''ہمیں اللہ تعالیٰ نے وہ نبیؐ دیا، جو خاتم المومنینؐ، خاتم العارفینؐ اور خاتم النبینؐ ہے۔ اور اسی طرح پر وہ کتاب اس پر نازل کی جو جامع الکتب اور خاتم الکتب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم النبین ہیں اور آپؐ پر نبوت ختم ہوگئی، تو یہ نبوت اس طرح پر ختم نہیں ہوئی جیسے کوئی گھونٹ کر ختم کر دے، ایسا قابلِ فخر نہیں ہوتا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے سے یہ مراد ہے کہ طبعی طور پر آپؐ پر کمالات نبوت ختم ہوگئے۔ یعنی وہ تمام کمالات متفرقہ جو آدمؑ سے لے کر مسیحؑ ابن مریم تک نبیوں کو دیئے گئے تھے۔ کسی کو کوئی اور کسی کو کوئی۔ وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے اور اس طرح پر طبعاً آپؐ خاتم النبین ٹھہرے۔ اور ایسا ہی وہ جمیع تعلیمات، وصایا اور معارف جو مختلف کتابوں میں چلے آتے ہیں، وہ قرآن شریف پر آ کر ختم ہوگئے اور قرآن شریف خاتم الکتب ٹھہرا''۔

''اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین نہیں مانتے، یہ ہم پر افترائے عظیم ہے۔ ہم جس قوتِ یقین، معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں، اس کا لاکھواں حصّہ بھی دوسرے لوگ نہیں مانتے۔ اور ان کا ظرف ہی نہیں ہے۔ وہ اس حقیقت اور راز کو جو خاتم الانبیاء کی ختم نبوت میں ہے، سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ انہوں نے صرف باپ دادا سے ایک لفظ سنا ہوا ہے۔ مگر اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں اور نہیں جانتے کہ ختم نبوت کیا ہوتا ہے اور اس پر ایمان لانے کا مفہوم کیا ہے؟ مگر ہم بصیرت تام سے (جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے ہم پر ختم نبوت کی حقیقت کو ایسے طور پر کھول دیا ہے کہ عرفان کے شربت سے جو ہمیں پلایا گیا ہے ایک خاص لذّت پاتے ہیں جس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا، بجز ان لوگوں کے جو اس چشمہ سے سیراب ہوں۔

دنیا کی مثالوں میں سے ہم ختم نبوت کی مثال اس طرح پر دے سکتے ہیں کہ جیسے چاند ہلال سے شروع ہوتا ہے اور چودھویں تاریخ پر آ کر اس کا کمال ہو جاتا ہے جب کہ اسے بدر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر کمالاتِ نبوت ختم ہوگئے۔ جو لوگ یہ مذہب رکھتے ہیں کہ نبوت زبردستی ختم ہوگئی اور آنحضرتؐ کو یونسؑ بن متیٰ پر بھی ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھا ہی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور کمالات کا کوئی علم ہی ان کو نہیں ہے۔ باوجود اس کمزوری فہم اور کمی علم کے ہم کو کہتے ہیں کہ ہم ختم نبوت کے منکر ہیں! میں ایسے مریضوں کو کیا کہوں اور کیا افسوس کروں۔ اگر ان کی یہ حالت نہ ہوگئی ہوتی اور وہ حقیقتِ اسلام سے بکلّی دُور نہ جا پڑے ہوتے، تو پھر میرے آنے کی ضرورت کیا تھی؟ ان لوگوں کی ایمانی حالتیں بہت کمزور ہوگئی ہیں اور وہ اسلام کے مفہوم اور مقصد سے محض ناواقف ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اہلِ حق سے عداوت کرتے جس کا نتیجہ کا فر بنا دیتا ہے''۔

(ملفوظات، جلد اوّل، ص ص ۲۲۷، ۲۲۸)

ذکرِ الٰہی کے چار دن

حضرت مولانا محمد علی صاحبؓ کی ایک خواہش

دعائیہ ایک ایسا موقعہ ہے جو اگرچہ صرف چار دن کا اجتماع ہے لیکن اس میں ایک ایسا زبردست ماحول پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ بہت سے برے اثرات کو دُور کر کے دِلوں پر ایک ایسا نقش جما دیتا ہے جو بعد میں تھوڑی سی توجہ سے سارا سال قائم رہتا ہے۔

ہمارا سالانہ دعائیہ دوسرے اجتماعوں کی طرح نہیں بلکہ خدا کے فضل سے یہ چار دن ایک طرح پر صبح سے شام اور شام سے صبح تک ذکرِ الٰہی کے دن بن جاتے ہیں۔ تقریروں کی غرض صرف قرآن کریم کی عظمت، محمد رسول ﷺ کی عظمت، اِسلام کی عظمت کا دلوں پر نقش کرنا ہوتا ہے۔ نیز بتایا جاتا ہے کہ یہ عظیم الشان کام جو ہمارے سیّد و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دِلی تڑپ یعنی کلمہ حق کا دنیا میں پہنچانا تھی اس میں ہم نے اب تک کیا کچھ کیا ہے اور آئندہ کیا کچھ کرنا ہے؟۔

باہم دوستوں کی میل ملاقات ہو تو اس میں بھی یہی ذکر ہو۔ دن ہے تو مسجد میں سب اکھٹے ہو کر خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو رہے ہیں۔ رات ہے تو اپنی اپنی جگہ آہ وزاری کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کا بول بالا کر دے۔ غرض سارے مجمع پر ذکر الٰہی کا ایک ایسا رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے جو کسی دوسرے مجمع میں نظر نہیں آتا۔ اس پاکیزہ مجمع میں آپ کے بچے آئیں گے تو یقین رکھیے کہ وہ ایک نہایت نیک اثر لے کر جائیں گے اور مادہ پرستی اور دہریت کی زہریلی ہوا کیلئے جس کے اندر انہیں سال بھر رہنا پڑتا ہے یہ ایک نہایت مؤثر تریاق ہے۔

میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ سالانہ دعائیہ کے موقع پر نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا جائے اور اُن کے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل رکھا جائے جس سے وہ اپنے آپ کو خود اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے، اپنے عزیزوں اور اقرباء کے لئے، مخلوقِ خدا کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکیں۔ اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ سالانہ دعائیہ کے اس موقع پر بارہ سال سے اُوپر کے سب نوجوانوں کو شامل کیا جائے۔

اجتماعی روحانیت بڑی مفید چیز ہے

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحبؒ

جماعت میں برکت ہوا کرتی ہے۔ جماعت میں ایک کی کمزوری دوسرے کی قوت کے ساتھ مل کر کمزوری نہیں رہتی بلکہ قوت سے مبدّل ہو جاتی ہے۔ طاقتوروں کی معیت کمزور کی بھی حفاظت کا موجب ہو جاتی ہے۔ جب تک کوئی نہایت درجہ قوی روحانیت کا انسان نہ ہو اسکی تنہائی اس کی روحانیت کیلئے خطرہ سے خالی نہیں۔ اکیلئے آدمی پر شیطانی وساوس غفلت وسستی کے حملے کارگر ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ طرح طرح کے وساوس کا شکار ہو کر اور غفلت وسستی کے اثر سے مذہب سے بیگانہ اور روحانیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ یا کم سے کم اس میں وہ مذہبی جوش باقی نہیں رہتا جو ایک اسلامی مجاہد کے قلب میں ہونا چاہیے۔

اِسی لئے اسلام نے جماعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اگرچہ نماز بندہ کا اپنے رب کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے لیکن پانچ وقت میں بھی نماز کا ایک حصہ باجماعت کر دیا تا کہ رب کے ساتھ تعلق جوڑنے میں بھی جماعت کی اجتماعی روحانیت سے ایک کمزور روحانیت کا انسان فائدہ اٹھا سکے۔ اور اھدنا الصراط المستقیم کی دعا مانگتے وقت برگزیدگان الٰہی کی دعاؤں کے ساتھ ایک گنہگار کی دعا بھی شرف قبولیت حاصل کر سکے۔ اس کی مثال میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آنحضرت ﷺ کی طرح بہت فیاض اور سخی تھیں۔ آپؓ کا یہ دستور تھا کہ جو کچھ وظیفہ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں آپؓ کو بھیجتے اور بعض دفعہ بڑی بڑی رقمیں بھی بھیجتے مگر آپؓ سب خدا کی راہ میں دے دیتیں اور خود فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرتیں۔ آپؓ کا ایک بھتیجا تھا۔ اُنہوں نے ایک دفعہ شکایت کی کہ آپ سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیتی ہیں ہمارے لئے پیچھے ترکہ کیا چھوڑیں گی؟ اس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بہت رنج ہوا اور اپنے بھتیجے کی اس حُبِّ دنیا سے اس قدر بیزار ہوئیں کہ اُسے کہہ دیا کہ آئندہ میرے گھر میں نہ گھُسنا۔

وہ بھتیجے صاحب بعد میں بہت پچھتائے اور معافی وغیرہ طلب کرنی چاہی لیکن چونکہ اس کا مکان میں داخلہ ہی بند تھا اس لئے کامیابی نہ ہوئی۔ جب اُس نے آنا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے منع کر دیا کہ میرے گھر میں نہ گھسو۔ اُس نے بعض صحابہؓ سے سفارش کی درخواست کی۔ اُنہوں نے ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دروازے پر جمع ہو کر درخواست کی کہ ہم سب کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ اُن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا وہ بھتیجا بھی تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اندر داخل ہوتے ہی بھتیجے نے معافی مانگی اور

صحابہؓ کی سفارش کا نتیجہ یہ ہوا کہ معافی مل گئی۔ گویا جماعت کے ساتھ وہ رد کیا ہوا بھتیجا بھی بازیابی پا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور جو جماعت کھڑی ہوتی ہے اُس میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی۔ ان نیکوں کی دعا کے ساتھ بدوں کی بھی دعا قبول ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ایک اجتماع کی مشترکہ اور متفقہ دعا ہوتی ہے۔ اس کو شیخ سعدی صاحبؒ نے اس طرح فرمایا ہے:

شنیدم کہ در روز اُمید وبیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس جماعت کے نیکوں کے ساتھ گنہگار بھی جنابِ الٰہی کے دربار میں شرف بازیابی پا جاتے ہیں۔ جس طرح خدا کی رحمت کی بارش جب برستی ہے تو باغ میں جہاں پھولوں اور پودوں پر برستی ہے وہاں روڑیوں پر بھی برستی ہے۔ اسی طرح جنابِ الٰہی کی مغفرت اور رحمت کی بارش جب ایک جماعت پر ہونے لگتی ہے تو نیکوں اور بدوں پر بھی ہو جاتی ہے۔ پس جماعت کی نماز، جماعت کی دعا جماعت کیساتھ مل کر کوئی خدمتِ دین کرنے میں جو فضل ربی کی ہوا اس جماعت پر چلتی ہے تو چھوٹے اور بڑے، نیک اور بد سب پر کرم گستری ہوتی ہے۔

دعائیہ کی بنیاد خود حضرتِ اقدس نے اپنے دعویٰ کے ساتھ رکھی اور اس کے لئے تین دن بھی آپ نے خود ہی مقرر فرمائے۔ دعائیہ کی اہمیت اور برکات کے متعلق حضور کے مبارک ارشادات آپ اکثر پڑھتے اور سنتے چلے آئے ہیں۔ میں جب احباب جماعت کو دعائیہ میں شامل ہونے کی دعوت دیتا ہوں تو یہ حضرت اقدس کی خواہش کی تعمیل ہے اور احباب کی طرف سے اسی دعوت پر لبیک کہنا ہے۔

دعائیہ میں شمولیت بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ہر شخص کو دین کے لئے اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنے کے زندگی میں موقعے ملتے رہتے ہیں۔ ان مواقع میں سے ایک موقع ہمارا دعائیہ بھی ہے جس میں جہاں کچھ مال خرچ کرنا پڑتا ہے وہاں جسمانی تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ جو لوگ لاہور میں رہتے ہیں اُن سے کہیں زیادہ صعوبت وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو دور دراز سے تشریف لاتے ہیں۔ ان کا اجر اسی قدر زیادہ ہے۔ مقامی احباب اس ثواب کی کمی میزبانی کے فرائض کما حقہ ادا کر کے پوری کر سکتے ہیں۔ ہمارے دوست جہاں کہیں بھی ہوں میں چاہتا ہوں کہ دعائیہ پر آئیں۔ اس میں شمولیت یقیناً دین کو قوت پہنچانے والی چیز ہے۔ اسے معمولی چیز نہ سمجھیں۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کا بڑا موقع دیا ہے اسے اپنے ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ اُس نے اس چھوٹی سی جماعت کو اس کام کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اصولوں کے لحاظ سے اسے پاکیزہ عقائد پر قائم فرما دیا اور استقامت بخشی ہے۔ دوسری بہت بڑی جماعت کے مقابلے میں اس لحاظ سے آپ کا قدم ایسا مضبوط ہے کہ اب عقائد کے میدان میں وہ اعلانیہ پُشت دکھاتے نظر آتے ہیں۔ دنیا کو قرآن کے پہنچانے کے کام میں بھی آپ کی جماعت کو بھاری توفیق بخشی گئی ہے۔ ہم پر خدا کا حق ہے کہ ہم من حیث الجماعت کو اس عظیم الشان کام کے لیے پہلے سے بڑھ کر تیاری کریں۔

قومی اجتماع بہت سی برکات کا جاذب ہے

حضرت مولانا صدرالدینؒ مرحوم کا ارشادِ گرامی

"قومی اجتماع جس کی بنیاد حضرت مجدد صد چہار دہم نے ڈالی تھی بہت سی برکات کا جاذب ہے۔ مبارک ہے وہ مرد اور وہ خاتون جس کے جذبہ کو دیکھ کر دوسرے بھی سرشار نظر آنے لگیں اور کثرت سے جمع ہو کر خدا کے حضور نہایت تضرع سے دعائیں کریں تا کہ اُن پر اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ سے فضل اور کرم اُترے۔ جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور جماعت کے اجتماع پر انوار الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اس سے مستفید ہونے کے لئے اور ثواب عظیم حاصل کرنے کے لئے اخلاص اور سعی بلیغ درکار ہے۔ پروردگار عالم کے حضور میں دست بدعا ہوں کہ وہ حضرت مرزا صاحبؒ کی جماعت پر، معمر لوگوں اور جوانوں پر، لڑکے اور لڑکیوں پر اور سلسلہ کی خواتین وحضرات پر عنایات اور اپنے انعامات نازل فرمائے۔ اور اُن کے دلوں کو اخلاص سے معمور کر دے اور اُن کے دلوں کو خدمتِ دین کے جذبہ سے بھر دے۔

دعائیہ پر آنے والے تمام احباب

خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لیے کیا ساتھ لا رہے ہیں؟

ابھی تقریباً ایک ہفتہ باقی ہے اسکے لئے زیادہ سے زیادہ فکر اور تیاری کریں اور ان روحانی ایام سے فائدہ اُٹھائیں

ارشادات

سَیّدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

☆ جماعت احمدیہ لاہور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل یقین کے ساتھ آخری نبی مانتی ہے۔ جب کسی کو ہمارا عقیدہ بتایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ لاہوری جماعت کے ان عقائد کا تو ہمیں علم نہ تھا۔ اس پیغام کو اپنے ساتھ لے جائیں کہ مجددین کا سلسلہ جاری رہے گا۔

مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمدؒ نے اسلام کی دفاع اور اشاعت کا جو عظیم الشان کام شروع کیا۔ جماعت کے بزرگوں اور عمائدین نے اس کو جاری رکھا اور اس جماعت کی قیادت کی ذمہ داری پورے اخلاص، لیاقت اور جوش و جذبہ سے ادا کی۔ ان بزرگوں اور عمائدین میں سے کوئی بھی باقاعدہ کسی مذہبی مدرسہ سے فارغ التحصیل نہ تھا۔ سب کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی توفیق کی بدولت اور روحانی برکات کے طفیل علم اور بصیرت حاصل ہوئی تھی۔ ان کی آنکھیں اور کان کھلے تھے۔ ان کے دلوں میں بصیرت تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو علم کی روشنی سے منور کر دیا تھا۔ میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے وہ ضروری علم عطا کر دے کہ میں آپ کی رہنمائی کر سکوں جس کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے۔

☆ دنیا میں بہت سے پودے ہیں۔ ہماری جماعت کا یہ پودا بھی نہایت برکت والا پودا ہے۔ یہ اللہ کے امام کا لگایا ہوا پودا ہے اور اس نے بڑھنا ہے۔ اس حقیقت کی تشبیہہ چین کے اس بانس کے درخت سے دیتا ہوں جس کو Chinese Bamboo Tree کہتے ہیں اور وہ اس کو ایک معجزہ سمجھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جب اس کو لگایا جاتا ہے تو پہلے سال اس کا تنا جتنا زمین سے باہر نکلا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی جڑوں کی شکل میں زمین کے اندر ہوتا ہے۔ دوسرے سال اس کا تنا باہر تو اتنا ہی رہتا ہے لیکن زمین کے اندر اس کی جڑیں زیادہ پھیل جاتی ہیں۔ تیسرے اور چوتھے سال بھی تنے کی کیفیت زمین کے اوپر یکساں رہتی ہے یعنی تنا اتنے کا اتنا ہی رہتا ہے

> ”اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ اب جیسے جیسے وقت گزرے گا اور لوگ آپ کے ساتھ شامل ہوتے جائیں گے۔ ہر جگہ سے خبر آئے گی۔ آپ کو نظر آئے گا جو آپ سے آملیں گے۔ کیونکہ یہ اس قادر کا وعدہ ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں“۔

لیکن زمین کے اندر اس کی جڑیں پھیلتی اور گہری ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن پانچویں سال اوپر والا تنا یکدم ایک سال میں 80 فٹ لمبا ہو جاتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارا یہ چھوٹا سا پودہ جو موجودہ نامساعد حالات کی وجہ سے بظاہر اتنے کا اتنا ہی نظر آ رہا ہے لیکن اب چین کے اس بانس کے درخت کی طرح 80 گناہ بڑھ کر دکھائے گا اور اس میں مجھے آپ سب کے مجاہدہ اور تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ نے جو قیادت مجھے سونپی ہے، اس کے متعلق میں اپنے اندر احساس ذمہ داری اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا طلبگار ہونے کی التجا کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔

فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کر میری مدد
کشتی اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار

میرے سقم و عیب سے اب کیجئے قطع نظر
تا نہ خوش ہو دشمنِ دیں جس پہ ہے لعنت کی مار

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی سن لے پکار

تیرے ہاتھوں سے میرے پیارے اگر کچھ ہو تو ہو
ورنہ فتنہ کا قدم بڑھتا ہے ہر دم سیل وار

اک زمانے کے بعد آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خدا جانے کہ کب آوے یہ دن اور یہ بہار

اے خدا کمزور ہیں ہم اپنے ہاتھوں سے اٹھا
ناتواں ہم ہیں ہمارا خود اٹھالے سارا بار

☆ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ میں دعا کرتا ہوں کہ ہر ایک سائل جو اس روحانی مجلس کے لئے سفر اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے ساتھ ہوگا اور اس کو عظیم اجر بخشے گا اور اس پر رحم کرے گا اور اس کی مشکلات اور اضطراب کے حالات اس پر آسان کر دے گا۔ اس کے غم دور فرما دے گا اور اس کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت فرمائے گا اور اس کی مرادوں کے پورے ہونے کی راہ کھول دے گا اور روز آخرت اپنے ان بندوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا جن پر اس کا فضل اور رحم اور انعام نازل ہوگا۔ اور سفر کے اختتام پر ان کا حامی و ناصر ہوگا۔

رحیم و کریم اور مشکل کشا خدا یہ تمام دعائیں قبول فرما اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کیونکہ ہر قوت کے عطا کرنے کا اختیار تجھ ہی کو ہے۔

حج کا مقصد اندرونی پاکیزگی اور دنیاوی حرص وہوا کی قربانی ہے

(خطبہ عید الاضحیٰ نومبر 2009ء فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

''کہہ بے شک مجھ کو میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے۔ صحیح دین، ابراہیم راست رو کے مذہب کی طرف اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہہ! میری نماز اور میری قربانی میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور یہی مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔''

یہ سورۃ الانعام کی آیات 161۔163 ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے مذکورہ آیات کی تلاوت اور ان کا ترجمہ سنایا ہے۔ آج کے اس عید الاضحیٰ کے خطبہ کے لئے ان کا انتخاب میں نے اس لئے کیا ہے کہ میرے خیال میں ان تین آیات میں آج کے دن کی روح یا باطن کے ہر پہلو کی اہمیت کا اجمالی ذکر موجود ہے۔ صبح اٹھتے ہی ہم عید کے ظاہری پہلو پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ نماز عید کے بعد ایک دوسرے کو عید مبارک کہتے ہیں۔ ناشتے میں خاص شیرینیوں کا اہتمام، نئے نئے کپڑے، بچوں کے لئے عیدی۔ قربانی کے بکرے اور پھر ان کو ذبح کرنے کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں اور پھر تین دن تک یہ عید چلتی رہتی ہے۔ عید قربان کا یہ صرف ظاہر ہے۔ لیکن اسلام میں عید کا منانا بھی عبادت کا ایک حصہ ہے۔ اس کا اہم پہلو اور خاص مقصد اس کا باطن اور اس کی روح ہے۔ جیسے اگر آپ بعض پھل لیں تو ان کے باہر کا چھلکا بہت خوبصورت لگے گا لیکن بعض اوقات جب انہیں خوبصورت پھل کو آپ تھوڑا سا زبان سے چکھیں تو آپ کو کڑوا لگے گا۔ اور بعض اوقات ان کا صحت پر برا اثر بھی پڑتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات زہریلے پھل کھانے سے

موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اس لئے جو پھل بظاہر اچھا نظر آتا ہے۔ اس کا اندر اس کا بالکل الٹ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو عبادات سکھائی ہیں اسلام نے ہر ظاہر عمل کے ساتھ ایک باطن پہلو بھی رکھا ہے۔ اور اس تک پہنچ کر اس کے اصلی مقصد کو پانا زندگی کو کامیاب بنانا ہے۔ عید الاضحیٰ کا مقصد خلاصتاً یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت میں سر جھکائے رکھنا، اس کے احکام کو مانتے رہنا اور اس پر عمل کرتے رہنا ہے۔ یہ اس کی اصلی روح اور اس کا مغز ہے۔ اور دین اسلام کا مقصد جیسے کہ ہم روز سورت فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم کی دعا مانگتے رہتے ہیں یہ ہے کہ ہم کو سیدھے راستے پر چلاتا رہ۔

اھدنا الصراط المستقیم اللہ سے ہدایت مانگنے کی نہایت عمدہ دعا ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کا رحم اور کرم اور اس کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ یہ زندگی اللہ کی ایک نعمت ہے جو اس نے عطا کی ہے اس کو اس کی ہدایت کے مطابق گذارنا ہی ہمیں کامیابی کی طرف لے جا سکتا ہے۔

اگر ہم ان آیات پر غور کریں تو اس میں مکمل اطاعت کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اور یہ جو ہم ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کو دہراتے ہیں اور ہدایت کے لئے دعا مانگتے ہیں تو اس میں قربت حاصل کرنے کی استدعا کرتے ہیں تاکہ اس راہ میں جو غلط خیالات اور بُرے اعمال رکاوٹ بن سکتے ہیں ان سے بچنے کی توفیق ملے اور اس طریق سے انسان کی زندگی کا مقصد پورا ہو۔

آج ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قابل رشک تابعداری اور عظیم قربانی کی یاد منا رہے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی راہ میں پیش کی۔ جنہوں نے قدم قدم پر شرک کو قوت ایمانی سے ٹھکرایا۔ اس کامل اطاعت کا ذکر بھی ان آیات میں آتا ہے جس کی روشنی

میں زندگی بسر کر کے ہی ہم مسلمان کہلانے میں حق بجانب ہوں گے ورنہ ہم صرف نام کے مسلمان رہ جاتے ہیں۔ فرمانبرداری کا یہ اعلیٰ جذبہ تب ہی حاصل ہوگا جب آپ کی نماز، آپ کی عبادات، آپ کی قربانیاں یہاں تک کہ آپ کا زندہ رہنا اسی جذبہ اطاعت کے تحت ہو۔ اور جب آپ پر موت آئے تو آپ اللہ کی کامل فرمانبرداری کی حالت میں ہوں۔ زندگی کا یہی رویہ آپ کی دنیاوی اور آخروی زندگی کو کامیاب بنائے گا۔ اسی کیفیت کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: ''تم نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم فرماں بردار ہو'' (۱۳۲:۲)۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور اس کو میں بار بار کہتا رہتا ہوں کہ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔ اس لئے انسان زندگی خدا کی اطاعت میں یوں گزارے کہ ہر چیز جو وہ کرنا چاہے خواہ وہ عبادات ہوں یا قربانیاں ہوں دل میں یہ جذبہ ہو کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کر رہا ہوں۔ خدا کی راہ میں اسی کامل فرمانبرداری کا نمونہ ان تین بزرگ ہستیوں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت حاجرہ نے خدا کی راہ میں کامل فرمانبرداری کا جو انمول نمونہ پیش کیا اور جس کا ذکر قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''میں جہانوں کے رب کا فرمانبردار ہوں'' (۱۳۱:۲)۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہستیوں کو مشکل ترین امتحان میں ڈالا اور وہ اس پر پورا اترے۔ خواہ آگ میں ڈالے جانے کا خطرہ تھا اس سے وہ پیچھے نہیں ہٹے۔ اولاد کو ذبح کرنے کا وقت آیا تو وہ ڈگمگائے نہیں۔ نہ باپ، نہ بیٹا اور نہ بیٹے کی ماں۔ باپ ابراہیمؑ نے اس امر کی زندہ مثال قائم کی کہ یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی چیز ہے جب وہ لینا چاہے تو اس کی راہ میں اسے قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ اس لحاظ سے پورے خاندان نے مل کر کامل اطاعت کا تاریخ ساز نمونہ ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ہر مسلمان مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا جوان، ہر ایک کے لئے یہ ایک ابدی نمونہ ہے۔ اس قربانی کے جذبے کو زندہ رکھنے کے لئے فریضہ حج ادا کیا جاتا ہے اور اس کے شکرانے کے طور پر عید منائی جاتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ فریضہ حج صرف مکہ کی زیارت تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ یہ ایک روحانی سفر ہے جس میں اپنی باطنی آلودگیوں کو صاف کر کے نیکی کے لیے نئے عزم اور نئی روحانی قوت کو حاصل کرنا ہے اور اسی تبدیلی کا نام حج ہے۔ آج پاکستان کو خوفناک حالات درپیش ہیں۔ گھر گھر آزمائشیں اور ابتلائیں ہیں۔ معصوم لوگ بے دریغ مارے جا رہے ہیں۔ ہمارے دل ان کے غم سے مغموم ہیں۔ لیکن قربانیوں کا وہ کامل نمونہ جس کی یاد عید الاضحیٰ ہمیں دلاتی ہے ہمارے لئے صبر کا موجب ہے۔

اس تقریب کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو اس نمونہ کے مطابق ڈھالیں۔ آج آپ نے نماز ادا کی اس کی اپنی اہمیت ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تکبیروں سے اقرار کیا۔ آپ رب العالمین کی درگاہ میں سربسجود ہوئے۔ اگر آپ نمازیں حقیقی معنوں میں ادا کریں اور اس کی روح کو پا لیں تو آپ اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے کھڑا پائیں گے۔ اگر کھڑا نہیں پاتے تو کم از کم اپنے ذہن میں یہ یقین رکھیں کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے اور ایسی نماز ہی ہماری روحانی ترقی کا باعث ہوگی۔ اسی طرح حج کا اصلی مقصد صرف یہ نہیں کہ آپ مکہ کا سفر کریں اور کعبہ کا طواف کریں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں کوئی اجر نہیں اور اس کے ذریعہ انسان کی روح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن وہاں جانے کا مقصد تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور جب وہاں سے لوٹ کر آئیں تو اس قرب کے روحانی اثرات کو ساتھ لے کر آئیں اور ان اثرات کو ضائع نہ ہونے دیں۔ ہمارے دل و دماغ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا نمونہ اثر پذیر ہو اور جہاں کہیں ضرورت پڑے ہم اپنی جان کی، مال کی اور کسی بھی عزیز چیز کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں۔

اولیاء اللہ نے دو قسم کے حاجی بتائے ہیں۔ ایک ظاہری حاجی ہوتا ہے جو ارکان حج ادا کرتا ہے اور جب لوٹتا ہے تو اس کا شاندار استقبال ہوتا ہے اور پھر وہ حاجی صاحب کہلانے لگ جاتا ہے۔ لیکن اس کے اندر ایک تکبر آ جاتا ہے اور جب اس کو کوئی حاجی صاحب کہہ کر نہ پکارے تو اس کو برا محسوس ہوتا ہے۔ اگر آپ حج کے موقع پر مکہ، مدینہ، عرفات اور منٰی کے ٹی وی پر مناظر دیکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ احرام باندھے ہوئے حاجی جب کبھی کیمرہ ان کے سامنے آتا ہے تو بے ساختہ ہاتھ ہلانے لگ جاتے ہیں اور مسکرا مسکرا کر کیمرہ کی طرف دیکھتے ہیں تا کہ لوگ ان کو طواف کرتے ہوئے دیکھ لیں۔ اگر روحانی جذبہ کی بجائے اپنی نمائش غالب ہو تو پھر استغراق کی حالت پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ اس میں اپنی نمائش کا زیادہ خیال ہے۔ یعنی اس انتہائی روحانی عبادت کے دوران آپ کو پورا انہماک حاصل نہیں اور آپ کا دھیان اللہ کی بجائے ذاتی نمائش کی طرف ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب اسلام آباد جانے کے لئے موٹروے سے داخل ہوتے ہیں تو آپ کو ایک بہت بڑا سرخ بورڈ لگا ہوا نظر آئے گا جس پر لکھا ہوتا ہے کہ کیمرہ کی آنکھ آپ کو دیکھ رہی ہے۔ اس کی وجہ سے آپ موٹروے پر محتاط ہو کر چلتے ہیں کہ کہیں چالان نہ ہو جائے اور جرمانہ ادا کرنا پڑے۔ اس بورڈ کی وجہ سے آپ کا دھیان اس ہونے والے نقصان کے خدشہ کی طرف رہتا ہے۔ اسی طرح اگر حج کے ذریعہ آپ کو یقین ہو کہ اللہ کی آنکھ ایک کیمرہ کی طرح آپ کو دیکھ رہی ہے تو آپ کے اندر کیسی تبدیلیاں آ جائیں گی یا آ جانی چاہئیں۔ اس روحانی تربیت کے منازل حج کے ذریعہ مکمل ہونے تک اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا ہے اور آپ کے افکار و کردار پر اس کا اثر نظر آنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ایک معروف صوفی حضرت ابو یزیدؒ فرماتے ہیں: ایک حاجی ان کے پاس حج کر کے آیا اور بڑے خوشی سے بتانے لگا کہ میں اب حاجی ہو گیا ہوں۔ یہ گفتگو کافی

لمبی ہے۔ بہرحال وہ سوال پوچھتے جاتے اور وہ شخص جواب میں کہتا کہ یہ بھی نہیں کیا، یہ بھی نہیں کیا اور ہر مرتبہ حضرت فرماتے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہارا حج نہیں ہوا۔ پھر حضرت ابو یزیدؒ نے فرمایا: حج وہ ہوتا ہے کہ جب آپ اپنا گھر چھوڑتے ہیں کہ اب میں حج کو چلا ہوں تو ساتھ یہ عزم کر کے نکلیں کہ میں گناہ کی زندگی کو بھی پیچھے چھوڑ چلا ہوں۔ اگر ایسی حالت نہیں ہے تو پھر آپ کا حج نہیں ہوا۔ اور حج کے لئے سفر کرتے ہوئے جب آپ کو یہ پتہ چلے کہ آپ اب مکہ میں کعبہ شریف کے قریب آرہے ہیں اور آپ کے دل کی یہ کیفیت نہیں کہ آپ خدا کے قریب جارہے ہیں تو پھر آپ میں کسی لحاظ سے کمزوری ہے۔ جب آپ نے حج کا ارادہ کیا اور ایک مقام پر پہنچ کر اپنے کپڑے جو روزمرہ آپ پہنتے ہیں ان کو اتار پھینکتے ہیں اور ان کی جگہ سفید احرام باندھ لیتے ہیں۔ اس حالت میں اگر آپ کے ذہن میں یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ کپڑے اتارنے کی طرح آپ نے اپنی تمام نفسانی خواہشات کو بھی ترک کر دیا ہے تو آپ کے حج کا مقصد پورا نہ ہوا۔ اور اگر ہم عرفات میں کھڑے ہو کر خدا تعالیٰ کو حاضر نہیں پاتے تو بھی حج کا مقصد پورا نہ ہوا۔ اسی طرح مزدلفہ میں عبادات کرنے اور آخر میں کعبہ کا الوداعی طواف کرنے کے باوجود آپ اپنے اندر روحانی خوبصورتی اور پاکیزگی پیدا نہ کر پائیں تو پھر بھی حج کمزور رہ گیا۔ اور جب صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کے دوران آپ اپنے اندر اخلاقی بلندیوں کو حاصل کرنے کا عزم نہیں پاتے اور آپ کی اس کوشش کے اثرات آپ کے کردار میں نظر نہیں آتے تب بھی اس کی وجہ آپ کی اپنی ہی کمزوری ہے۔ پھر منیٰ میں تو تمام خواہشات کا خاتمہ کر دینا ہوتا ہے۔ اسی طرح قربانی کرتے ہوئے جب آپ ایک بے بس جانور پر چھری چلا رہے ہوتے ہیں۔ اگر اس لمحہ آپ کے اندر یہ محکم عزم پیدا نہ ہو سکا کہ آپ اللہ کے ہر حکم پر بے چون وچراں عمل کریں گے تو بھی آپ کی قربانی کا مقصد پورا نہ ہوا۔ بائیبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو بھیڑ کے ساتھ بار بار تشبیہہ دیتے ہیں۔ اس لئے کہ بھیڑ ایک معصوم اور انتہائی فرمانبردار جانور ہے جو چرواہے کی آواز پر بے اختیار چلا آتا ہے اور اپنے ریوڑ سے ادھر اُدھر نہیں ہوتا۔ حج کے دوران شیطان کو کنکریاں بھی ماری جاتی ہیں۔ اور حاجی بتاتے ہیں کہ وہاں لوگوں کو اس موقع پر اتنا غصّہ آجاتا ہے کہ وہ ناروا قسم کی گالیاں بھی دے رہے ہوتے ہیں گویا کہ شیطان آج ان کے قابو میں آیا ہے اس کو ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ کیا ان کے دل میں جو شیطانی خیالات ہیں وہ بھی ہر پتھر کے مارنے سے مر رہے ہوتے ہیں؟ اگر آپ نے حج کے تمام ارکان ادا کرنے کے ساتھ اپنے عزم کو پکا کر لیا ہے اور اس کے نتیجہ میں کردار اور افکار میں پاکیزگی اور خدا کی فرمانبرداری کا جذبہ رچ بس گیا ہے تو پھر یقیناً آپ برائیوں سے بچ جائیں گے اور نیکی میں ترقی کریں گے اور آپ نے صحیح معنوں میں حج کے مقاصد کو پالیا۔

حج کے اسی باطنی روح کے پیش نظر حضرت ابو یزیدؒ نے فرمایا: میں نے تین حج کئے۔ جب میں نے پہلا حج کیا تو مجھے صرف کعبہ نظر آیا۔ جب دوسرا حج کیا تو مجھے کعبہ بھی نظر آیا اور اس کا مالک بھی اور جب تیسرا حج کیا تو مجھے صرف مالک ہی مالک نظر آیا اور کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ یہ وہ روحانی حالتیں ہیں جن سے حج اور دیگر عبادات میں انسان گزرتا ہے۔ رب بھی اپنی تخلیق کو مختلف مدارج سے گزار کر تکمیل کے درجہ تک پہنچاتا ہے۔ بندے اور خدا کے درمیان تعلق کی بھی کچھ ایسی میں صورت حال ہے۔ کبھی وہ دعا کو فوراً قبول کر لیتا ہے اور کبھی بندے کو آزماتا ہے۔ لیکن اس تعلق میں فرق یہ ہے کہ بعض اوقات بندہ خدا کی مصلحت کو سمجھ نہیں پاتا اور سمجھتا ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی لیکن ایک رنگ میں خدا بندے کے قرب کی حالت کے مطابق تعلق کو بدستور قائم رکھتا ہے۔ اسی لئے ایمان بالغیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور عیدالاضحیٰ ہمیں کامل بھروسہ اور کامل فرمانبرداری کا سبق سکھلاتا ہے۔ ورنہ انسان الجھن میں رہتا ہے کہ یہ کیوں ہو گیا اور ایسا کیوں نہ ہوا۔ اسی لئے حضرت مولانا نورالدین صاحب فرماتے ہیں کہ خدا کو پانے کے لئے بندہ کو خدا بننا چھوڑنا ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ انسان خدا کیسے بن جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب بندہ چاہتا ہے کہ جو وہ چاہے وہ ہو جائے جیسے کہ خدا کی صفت کن فیکون کار فرما ہوتی ہے۔ یہی صورت بندے کا خدا بننا ہے۔ اور جب انسان خدا بننا چھوڑ دے تو پھر اس کو خدا کو پہچاننے میں آسانی ہوتی ہے۔ بندہ صرف فرمانبرداری کے ذریعہ ہی خدا سے تعلق جوڑ سکتا ہے۔ رسولوں اور انبیاء میں بھی کامل اطاعت اور فرمانبرداری نمایاں نشان ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر حج خالصتاً کعبہ کے مالک کو پانے کے لئے کیا جائے اور جس حد تک وہ اس میں کامیاب ہوگا اتنا ہی اس کا حج کامیاب ہوگا۔ اللہ کے نزدیک وہی عبادت قبول ہوگی جو صرف اس کی خوشنودی کے لئے کی جائے۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب مجدد صد چہاردہم اور مسیح موعود نے ''کشتی نوح'' میں ایک عمدہ بات فرمائی: ''انسان کا اللہ کے ساتھ ایسا تعلق پیدا ہو جائے کہ اس کی عبادت نہ تو بہشت کی طمع اور نہ دوزخ کے ڈر سے ہو۔ اگر بہشت نہ ہوتی اور نہ دوزخ ہوتی تب بھی اس کے اطاعت الٰہی میں، جوش، محبت اور کوشش میں کمی نہیں آتی۔ جو انسان اس طمع یا لالچ میں نیکی یا قربانی یا دن رات عبادت کرے کہ فرشتے آئیں گے حوریں ملیں گی باغات اور نہریں ہوں گی اور دیگر عیش وعشرت کے سامان ہوں گے۔ تو جنت کا یہ ایک نہایت ہی سطحی اور دنیاوی تصور ہوگا۔ جب ذہن سے ان غلط اور نام نہاد حسین تصورات کو نکال دیا جائے اور استقامت سے صراط المستقیم پر چلنے کی خدا سے استدعا کی جائے تو پھر آپ قرب الٰہی کے حقدار ہیں اور یہ وہ نمایاں فرق ہے جو ایک متقی کی عبادت اور زندگی بسر کرنے میں اور اس انسان کے درمیان ہوتا ہے جو

ظاہری عبادات میں لگا رہتا ہے اور اس کے باطن میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں لاہور کے نہایت معروف صوفی حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ نے اپنی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں لکھا ہے کہ حج دو قسم کا ہوتا ہے ایک خدا کو حاضر سمجھتے ہوئے اور دوسرا وہ جو خدا کی غیر حاضری میں ہوتا ہے۔ اگر آپ مکہ میں حاضر ہوں لیکن آپ کے دل میں خدا حاضر نہ ہو۔ تو پھر مکہ میں ہونا اور گھر میں ہونا ایک جیسا ہی ہے۔ اور دوسرا خدا کی حاضری میں۔ جیسے کہ اگر آپ گھر میں ہوں اور آپ کے دل میں خدا حاضر ہو یہ ایسی حالت ہے کہ جیسے آپ اپنے گھر میں ہیں لیکن آپ کا دل مکہ میں ہے۔ اور جو انسان حج پر نہیں جا سکتا یا کسی وجہ سے روکا گیا ہے لیکن دل میں اشد خواہش ہے کہ وہ حج پر جائے لیکن جب اس کے پاسپورٹ پر لاہوری احمدی یا قادیانی احمدی کا خانہ رکاوٹ بن جائے تو اس کا یہ نیک ارادہ گھر میں بیٹھ کر ایک حاجی کی طرح ثواب کما رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا دل گھر میں بیٹھ کر بھی خدا کی طرف لگا ہوا ہے۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم یہاں بیٹھ کر بھی ان روحانی مراحل کو طے کرنے کی سعادت حاصل کر پائیں۔ ورنہ آج کی عید کی خوشیاں محض ایک ظاہری عمل ہوگا جو چند دنوں کے بعد ختم ہو جائے گا۔

آج ملک خطرناک حالات سے گذر رہا ہے۔ ہماری افواج اور خود پاکستان کو مشکلات کا سامنا ہے۔ ہر ایک شہری غیر یقینی اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔ ایسی خبریں دلوں کو پریشان اور اداس کر دیتی ہیں اور بظاہر حالات سدھرتے نظر نہیں آرہے۔ دشمن موقع سے بھر پور فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ان نازک حالات اور کمزوری کی وجہ بے راہ روی اور باہمی انتشار ہے۔ اگر حج کے دوران ہم یہ سوچ رہے ہوں کہ میرے دائیں طرف کس فرقے کا انسان ہے یا میری بائیں طرف کالا ہے یا گورا ہے، مرد ہے یا عورت ہے۔ یہ سوچ رہے ہوں کہ میں کس قومیت کے شخص کے ساتھ اس وقت طواف کر رہا ہوں۔ سفر میں میرے ساتھ، میرے آگے اور پیچھے کون ہے تو آپ نے حج کے دوران مساوات اور ملی بھائی چارے کا جو تجربہ حاصل کیا، اس سے آپ نے کچھ نہ سیکھا۔ اگر وطن واپس پہنچ کر جہاز سے اترتے ہی آپ کو پھر سے فرقے نظر آنے لگ جائیں اور ہم دوسری قوم کے لوگوں سے امتیاز برتنے لگ جائیں، دوسرے کو بلا وجہ دشمن سمجھنے لگ جائیں تو پھر حج کا مقصد تو حاصل نہ ہوا۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ گھر میں بیٹھ کر ہم خدا کی یاد میں ایسے ڈوب جائیں کہ ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے۔ میری یہ بھی دلی دعا ہے کہ ہم جب بھی کسی مقدس مقام پر جائیں تو وہاں جا کر اللہ کے قرب کی دعائیں کریں اور اپنے ملک کے لئے دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں پر جو حملے ہو رہے ہیں اس کے دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے وطن پر جو حملے ہو رہے ہیں اور اس کو تباہ کرنے کی جو کوشش اور منصوبے بن رہے ہیں ان کو ناکام بنا دے۔ اور جو فرنٹ لائن پر جا کر اپنی جانیں دے رہے ہیں اور اس ملک کو بچانے کی خاطر جام شہادت نوش کر رہے ہیں ان کے گھر والوں کو ان کے رشتہ داروں کو صبر عطا فرمائے۔ اللہ ہماری جماعت کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھے اور اس کو مٹانے کے منصوبوں کو ناکام بنا دے۔ جو بیمار ہیں اللہ ان کی بیماریوں کو دور فرما دے۔ جو تکالیف اور مالی مشکلات میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ ان پر اپنا خاص فضل و کرم فرمائے۔

> **اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں میں اندرونی کمزوریوں اور باہم نفرتوں کو دور کرنے کا شعور پیدا کرے اور بیرونی ہاتھ جو خلفشار اور وسوسے پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں ان سے محفوظ رکھے اور ہماری صفوں میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کرے اور مذہبی جنونیت کی خطرناک روش سے باز رہنے کی توفیق عطا فرمائے**

عید الاضحیٰ قربانی کے جذبہ کو پیدا کرنے کی تربیت کا ایک موثر ذریعہ ہے اور جو احکام ہم بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو یاد دلاتا ہے۔ اور سب سے اچھا ریفریشر کورس نماز قائم کرنا ہے جو دن میں کم از کم پانچ مرتبہ اللہ کے احکامات کی یاد دہانی کراتی ہے۔ ''تم اللہ کو یاد کرو اور وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمہاری دعا قبول کرے گا'' حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ تم اسے آسائش اور آرام کے وقت یاد کرو تا کہ وہ تمہیں مشکلات کے وقت یاد رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم اس کو ہر حال میں یاد رکھیں اور اس کی خوشنودی پیش نظر رہے۔ ہمارا کام دنیا کو اسلام کے امن کا پیغام پہنچانا ہے جس کی آج ہر کوئی شدت سے ضرورت محسوس کر رہا ہے۔ جس کو دیکھیں آج امن کو قائم کرنے کے لئے جہاد کا ذکر کر رہا ہے۔ آج سو سال کے بعد اُس امن کی باتیں ہو رہی ہیں جس کی طرف سو سال قبل امامِ وقت نے بار بار توجہ دلائی تھی۔ آج تقاریر، سیمینار اور چینلز کے ذریعے قرآن کے پیغام کو پھیلانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ علم اور رواداری کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ پر زور دیا جا رہا ہے۔ لیکن جب امامِ وقت نے اس علمی اور تبلیغی جہاد کا علم بلند کیا تھا تو ان کو جہاد کا منکر گردانا گیا تھا۔ لیکن آج تو یہ سچائی آہستہ آہستہ حقیقت کا روپ اختیار کر رہی ہے۔ مغربی میڈیا کی یلغار اور اسلام کے خلاف ''زور آور حملوں'' سے اس زمانے کے امام کی تائید ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں میں اندرونی کمزوریوں اور باہم نفرتوں کو دور کرنے کا شعور پیدا کرے اور بیرونی ہاتھ جو خلفشار اور وسوسے پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں ان سے محفوظ رکھے اور ہماری صفوں میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کرے اور مذہبی جنونیت کی خطرناک روش سے باز رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دعائیہ آ رہا ہے ۔ کیا آپ بھی آ رہے ہیں؟

از: جناب نصیر احمد فاروقی

ترجمہ: ''(مومنو!) رسول کے بلانے کو آپس میں ایسا بناؤ جیسا تمہارا ایک دوسرے کو بلانا ہے۔ اللہ اُن لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے چُھپ کر نکل جاتے ہیں۔ پس جو لوگ اُس کے حُکم کے خلاف عمل کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ ڈریں کہ وہ آزمائش میں نہ پڑ جائیں یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔ سُن لو کہ اللہ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ جانتا ہے جس حال میں تم ہو۔ اور جس دن وہ اُس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ انہیں اس کی خبر دے گا جو وہ کرتے تھے۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے''۔ (النور 24:43-46)

کیا خوش نصیب تھے وہ لوگ جن میں اللہ کا رسولؐ موجود تھا! اور جب وہ انہیں بُلاتا تھا تو کیا دیوانہ وار وہ دوڑے آتے تھے! یہاں تک کہ جنگ اُحد میں جب کچھ تیر اندازوں کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی سے کفّار نے مورچہ خالی دیکھ کر مسلمانوں کے عقب سے حملہ کر دیا تو اُن میں پریشانی پھیل گئی اور بعضوں کے پیر اُکھڑ گئے۔ تو اس حالت میں بھی جب اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو پہاڑ کی طرح مضبوط کھڑا تھا جب اُس نے چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھ کر آواز دی الیّ عباداللّٰہ انا رسول اللّٰہ ''اے اللہ کے بندو میری طرف آ جاؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں''۔ اللہ کے رسولؐ کی پکار اللہ کی پکار تھی۔ کیونکہ حضوؐر کا کوئی دینی یا قومی حکم اللہ تعالیٰ کی وحی خفی کے سوا نہ ہوتا تھا۔ تو مسلمان اُلٹے پیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑے۔ حالانکہ اُس میں مسلمانوں کا دوبارہ دشمن کے نرغہ میں پھنس جانا یقینی امر تھا چونکہ دشمن جو تعداد میں چار گُنا تھا اور اب اس کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کافی تھی کہ وہ اپنی جان تک کا خطرہ مول لے کر حضوؐر کے گرد جمع ہو گئے۔

ان دِل ہلا دینے والی آیات میں مندرجہ ذیل اہم امور کی طرف ہماری خاص توجہ دلائی گئی ہے:

۱۔ اللہ اور اس کا رسولؐ ایک ہیں۔ سو جب رسُولؐ بُلائے تو وہ اللہ کا ہی بُلانا ہے۔

۲۔ اس لئے رسولؐ کے بُلانے پر آ جایا کرو خصوصاً اس لیے کہ رسول تمہیں اُس بات کی طرف بلاتا ہے جو تمہیں زندگی بخشتی گی۔

۳۔ جان لو کہ اللہ تمہارے دلوں کے درمیان حائل ہے۔ اس لئے اگر وہ ایک طرف تمہارے عمل کو دیکھتا ہے تو دوسرے طرف وہ تمہارے دل کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے عذر بہانے رسوؐل کے سامنے کر بھی لو تو اللہ سے تم اصل بات نہیں چھپا سکتے خواہ وہ تمہارے دل کی ایمانی کمزوری ہو یا کوئی اور وجہ ہو۔

۴۔ اگر اللہ اور اس کے رسوؐل کے بلانے پر تم جمع نہ ہو گے تو ایک دن اللہ کے سامنے پکڑے ہوئے جمع ہو گے۔

۵۔ وہ تو آخرت میں ہو گا مگر اس دُنیا میں بھی تم پر اس عظیم الشان رسوؐل سے غفلت برتنے پر اللہ تعالیٰ فتنہ بھیج سکتا ہے، اور اس فتنہ میں گیہوں کے ساتھ گُھن بھی پس سکتے ہیں۔ یعنی ساری قوم پر وہ فتنہ آ سکتا ہے خواہ اُس میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم نہ کیا ہو۔

۶۔ اور جان لو کہ اللہ بہت مہلت اور ڈھیل دیتا ہے مگر جب پکڑتا ہے تو وہ سخت پکڑ ہوتی ہے۔

غزوۂ اُحد میں قصور تو 39 تیر اندازوں کا تھا مگر آفت ساری جماعت پر آ گئی۔ اور ایسی مصیبت کا گناہ اُن تھوڑے لوگوں کے نامہ اعمال میں جا پڑتا ہے جن کی کمزوری سے وہ مصیبت آئی۔ مومنوں کو جنھوں نے کمزوری نہ دکھائی تھی اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔

اس لئے ضروری ہے کہ انفرادی اور اجتماعی میں زندگی یک رنگی ہونی چاہیے۔ اس لئے انفرادی نماز کے ساتھ ساتھ با جماعت نماز کی خاص برکتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

حضرت مجدد صد چہاردہم نے بھی اللہ تعالیٰ سے حکم پا کر دعائیہ کی بنیاد رکھی۔ اور حضرت اقدس نے بھی وہی الفاظ استعمال فرمائے جو ان آیاتِ مبارکہ میں ہیں کہ اس دعائیہ کو معمولی جلسوں کی طرح نہ سمجھو بلکہ یہ مشیت الٰہی ہے۔ جماعت کو روحانی زندگی بخشنے کے لئے مقرر ہوا ہے۔ میں اپنی ساری عمر میں صرف دو دفعہ ان مبارک جلسوں سے محروم ہوا۔ کیونکہ والد صاحب مرحوم مجھے بچپن سے ہی اپنے ساتھ دعائیہ پر لاتے تھے۔ ایک دفعہ جب میں ولایت میں طالبعلم تھا اور دوسرا وہ دعائیہ تھا جب بجائے دسمبر کے آخیر کے ایسٹر کی تعطیلات میں ایک دعائیہ منعقد ہوا تھا۔ اور میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ جب بھی میں شامل نہ ہوا تو میں نے اپنے اندر روحانی کمزوری محسوس کی اور روحانی احیاء ہی ان جلسوں کا مقصد ہے جیسا کہ سورۃ الانفال کی آیت 24 میں

فرمایا گیا ہے:
ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانو جب وہ (رسولؐ) تمہیں بلاتا ہے تا کہ وہ تمہیں زندگی بخشے‘‘۔

اپیل

میرے عزیز بھائیوں اور بہنو! مذکورہ باتوں کو ایک دفعہ پھر پڑھو اور میرے سوال کا جواب دو ’’دعائیہ آرہا ہے کیا آپ بھی آرہے ہیں؟‘‘ کیا ہمارے عذر کہ دفتر سے چھٹی نہ ملی۔ یہ میری مجبوری تھی یا وہ ضروری کام تھا۔ متذکرہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ کی وعید ہے کہ اپنی روحانی تازگی کی فکر کرو اور اس کے لیے کوشاں رہو۔ سستی اور عذر کو پاس نہ آنے دیں۔ اللہ تعالیٰ نہ کرے کہ ہم کسی فتنہ میں ڈال دیئے جائیں۔ مثلاً بیماری ہو تو کیا ہم چھٹی نہ لیں گے؟ خواہ وہ بلا تنخواہ ہی کیوں نہ ہو۔ بزنس والے کا یہ کہنا ہے کہ تجارت تو کسی کا انتظار نہیں کرتی۔ لیکن اگر وہ بیمار ہو جائیں تو انتظار کر لیتی ہے؟ یا وہ ملک سے باہر جائیں جو کہ بعض اوقات ہفتوں بلکہ مہینوں کے لئے ہوتا ہے تو کیا اپنے کام کاج کی نگہداشت کے لئے کسی اور کو مقرر کر کے نہیں جاتے؟ تو کیا ان چار دنوں کے لئے ایسا کوئی انتظام نہیں کر سکتے؟ زمیندار بھائیوں کے پاس تو کوئی ایسا عذر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ وقت نہ تو فصل بونے کا ہے نہ کاٹنے کا۔

باقی رہے وہ بھائی بہن جو سفر خرچ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ تو حضرتِ اقدس نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس مقصد کے لئے سال بھر تھوڑی بہت بچت کر کے زادِ سفر مہیا کریں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں سرکاری ملازمت میں تھا تو ہم صاحب مقدرت لوگ چندہ کر کے نادار بھائی بہنوں کے لئے دعائیہ میں شامل ہونا ممکن بنا دیتے تھے۔

اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد بھی یاد رکھیں۔ ان العھد کان مسئولا ’’ہر عہد کے متعلق تم سے محاسبہ ہوگا‘‘ (34:12)۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دن سُرخرو کرے۔ اور اس دنیا میں بھی ہماری محافظت فرمائے اور اللہ کے احکامات کے بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور شامت اعمال کی وجہ سے ہمیں فتنوں میں نہ ڈالے۔ (آمین)

اس نور پر فدا ہوں، اُس کا ہی میں ہُوا ہوں

رحمت کا اِک سمندر جس کا نہ تھا کنارا
مایوسیوں کا مرہم زخمی دلوں کا چارا
جس نے اُسے پکارا، اُس کا بنا سہارا
جن و بشر کا رہبر، کرّوبیوں کا پیارا
تخفیفِ آدمیت جس کو نہ تھی گوارا
اُس کا جمالِ دلکش ہر شے سے آشکارا
’’وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے‘‘

کیا ہے جو پُر خطا ہوں، اچھا ہوں یا بُرا ہوں
کچھ بات ہے جو اُس کے در پر پڑا ہوا ہوں
اُس کے مقامِ عالی سے خوب آشنا ہوں
ایسا حسیں نہ دیکھا، دُنیا میں سب پھرا ہوں
وہ روشنی سراسر میں اُس میں بس گیا ہوں
مجھ کو فنا ہو کیسے اُس یاد میں فنا ہوں
’’اس نور پر فدا ہوں، اُس کا ہی میں ہُوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں، بس فیصلہ یہی ہے‘‘

کلامِ: ڈاکٹر محمد احمد حامی

انجمن تحریک احمدیہ لاہور کا دعائیہ

از محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ

آج سے نصف صدی بھی پہلے چودھویں صدی کے مجدد اور مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے سالانہ دعائیہ کی بنیاد رکھی۔ جس نیک نیت، اخلاص اور دردمندی سے انہوں نے اس دعائیہ کی ابتداء کی۔ خدا کی شان باوجود وقت گزرنے کے اس کی اہمیت اور خوبی، مقبولیت اور کامیابی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ خدا کے فضل اور اس عظیم الشان انسان کی دعاؤں سے یہ خوبیاں بڑھتی ہی جاتی ہیں۔ یہ ایک ننھا سا بیج تھا جو اس مقدس ہستی نے قادیان کی گمنام اور چھوٹی سی بستی میں بویا۔ یہ وہاں پلا، بڑھا، پھر حالات زمانہ اسے لاہور لے آئے۔ لیکن یہ تبدیلی بھی اُسے راس آئی اور وہ زیادہ ہی پھولا پھلا اور تر و تازہ ہوا۔ اور اب تو ماشاء اللہ اس کے چاہنے والے اور اس میں شمولیت کے مشتاق ہزاروں میل اور سات سمندر پار کر کے پہنچتے ہیں۔

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ وہ جلسہ کے لئے بذریعہ ریل اور پھر بٹالہ ریلوے اسٹیشن سے یکوں پر، بیل گاڑیوں، حتا کہ پیدل، کچی، اُونچی نیچی دھول بھری سڑکوں پر سفر کر کے قادیان پہنچتے تھے۔ لیکن سب تکلیفیں اور صعوبتیں اس مبارک اجتماع میں شامل ہوکر بھول جاتی تھیں۔ اور وہ یہ چار دنوں میں آپس میں ملنے جلنے، میل ملاقات بڑھانے کے علاوہ جو دینی اور روحانی فیض پاتے تھے اس سے مالا مال ہوکر واپس لوٹتے تھے۔

پھر میری بچپن کی یاد میں یہ جلسہ احمدیہ بلڈنگس کی چھوٹی سی مسجد اور گلیوں میں ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی اسکی کشش اور فیض ایسا تھا کہ لوگ اس چھوٹی سی مسجد میں، تنگ گلیوں میں اور کناروں پر کھڑے ہوکر علمی اور روحانی تقاریر کو سنتے تھے۔ اور ان مخلص اور دین کے متوالوں کی زیارت کرتے جو مسیح موعودؑ کے ارشاد کے تحت اسلام کی اشاعت کی تڑپ کو لے کر دنیا کے کونے کونے جاتے۔ اب تو کچھ سیاسی مہربانوں نے دلوں میں فرق ڈال دیئے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں نہ صرف احمدی مسلمان بلکہ دوسرے مسلمان اور اُن کے چوٹی کے لیڈر اور سرکردہ و نامور عالم اور شاعر آ کر دعائیہ کی رونق بڑھاتے ہیں۔ بڑی بڑی پڑھی لکھی اور باشعور خواتین چقوں کے پیچھے فرش پر دریوں پر بیٹھتیں اور فیض حاصل کرتی تھیں۔ اور تبلیغی سرگرمیوں اور قرآن مجید کی اشاعت کے لئے چندے دیتی تھیں۔

اس دعائیہ میں شمولیت کے لئے احباب و خواتین لمبے لمبے سفر کر کے آتیں اور کافی جسمانی تکالیف اور بے آرامی اٹھا کر دعائیہ میں پہنچتی ہیں۔ اپنا گھر اور کاروبار چھوڑ کر اس میں شمولیت کرتے ہیں۔ لیکن یہ وہ مبارک سفر ہے جس کے مسافروں کیلئے اس دعائیہ کے بانی اور خدا کے عظیم مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے دلی تڑپ اور درد کیساتھ دعائیں مانگی ہیں۔ کہ اس میں آنیوالوں اور اس مقصد کے کیلئے سفر اختیار کرنے والوں کو تیری حفاظت و پناہ حاصل ہو۔ یہ سفر اُن کیلئے آسان اور موجب برکت ہو۔ اللہ ان کے آل و اموال کی حفاظت فرمائے اور ان کے رنج و غم دور ہوں۔ ان دعاؤں کو پڑھ کر بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ہمیں بھی ان کے سائے میں جگہ ملے اور ان مجاہدین میں ہمارا بھی شمار ہو۔

''اے اللہ تو اس دعایہ میں شرکت کرنے والوں کا ساتھی ہونا اور اور ان کا حافظ و ناصر ہونا''۔

☆☆☆

نوٹس داخلہ

لاہور احمدیہ سکول آف ایجوکیشن ان ریلیجن

لاہور احمدیہ سکول آف ایجوکیشن ان ریلیجن کے تین سالہ مبلغ کورس کے پہلے سال کے داخلے شروع ہیں۔ داخلے کی شرائط: کم از کم تعلیمی قابلیت میٹرک، گریجویٹ حضرات کو ترجیح دی جائے گی۔ ملازمت سے ریٹائرڈ تعلیمی یافتہ حضرات جو دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہوں داخلے کے اہل ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ امیدواروں کو ان کے دینی علم اور قابلیت کی بناء پر Exemptions دی جائیں گی۔ دوران تربیت مفت قیام و طعام، علاج و معالجہ اور معقول ماہوار وظیفہ دیا جائے گا جو طلباء کی تعلیم، تجربہ اور قابلیت کے مطابق ہوگا۔ انجمن کے قواعد و ضوابط کے مطابق تربیت کے بعد اندرون ملک اور بیرون ملک بطور مبلغ ملازمت کے مواقع میسر ہوں گے۔

تعلیم کا آغاز یکم جنوری 2010ء کے بعد ہوگا احباب جماعت اور ان کے بچے جو دینی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوں اپنی درخواستیں 10 فروری 2010ء تک زیر دستخطی کو ارسال کردیں۔

قسط نمبر: 2

کیا عیدالاضحیٰ کی قربانی کا بدل نقد روپیہ ہو سکتا ہے؟

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری

حضرت نبی کریم صلعم کے اُسوہ سے کونسے معنی کی تعیین ہوتی ہے

اہل لُغت نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ نسک کا لفظ انہی چیزوں پر بولا جاتا ہے جو واجب ہوں۔ پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شرعی طور پر نسک کا اطلاق اسی قربانی پر ہوتا ہے جو عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر کی جاتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ شریعت اس قربانی کو واجب قرار دیتی ہے۔ اس کے لئے ہمیں اس لفظ کی اس تفسیر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو حضرت نبی کریم صلعم سے مروی ہے۔ یہ واقعہ کہ حضرت نبی کریم صلعم نے مدینہ میں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر جب دو مینڈیوں کی قربانی کی تو ان کو ذبح کرتے وقت قرآن کریم کی یہ آیات تلاوت کیں: **انّی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفاً وما انامن المشرکین ۔ ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین . لاشریک له وبذالک امرت وانا اول المسلمین 6:79,162,163۔ رواه احمد وابوداؤد وابن ماجه والدارمی)** ۔حضرت نبی کریم صلعم کے اس عمل نے بغیر کسی شک وشبہ کے آیت میں وارد شدہ لفظ نسکی کو عید والی قربانی کے مفہوم میں ہی متعین کر دیا۔ حضرت نبی کریم صلعم کی اس واضح تشریح سے ہمارے لیے کتب لغت کی ورق گردانی کی ضرورت باقی نہیں رہنے دی۔ اس آیت میں اس امر کو واضح کر دیا گیا ہے کہ اس قربانی کا مجھے خدا کی طرف سے حکم دیا گیا ہے اور میں خدائی احکام کی تعمیل کرنے میں اوّل نمبر پر ہوں۔ ان الفاظ کو عقاد صاحب نے ترک کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ سورۃ الانعام آیت ۵۱ اور سورۃ الاعراف آیت ۲۰۴ میں ان صریح الفاظ کو عقاد صاحب نے ترک کر دیا ہے **ان تبع الا مایوحی الیّ قل انما اتبع مایوحیٰ الیّ** اور **من ربّی** جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا ہر دینی فعل وحی کی ہدایت سے ہوتا تھا۔ پس مفسرین نے اگر اس آیت سے قربانی کے وجوب پر استدلال کیا ہے تو ان کے سامنے حضرت نبی کریم صلعم کا یہی عمل تھا۔

عمل کے علاوہ حضرت نبی کریم صلعم کا اس لفظ کو قربانی پر اطلاق کرنا

بخاری میں البراء بن عازب سے مروی ہے **قال النبی صلعم من ذبح بعد الصلوٰة تم نسکه وَاصاب سنة المسلمین** ۔اسی طرح انسؓ سے بھی بالکل یہی الفاظ مروی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس شخص کے متعلق جس نے نماز سے قبل جانور ذبح کیا فرمایا: **فانما هولحلم یقدمه لاهله لیس من النسک فی شئي** ۔ بخاری کی حدیثوں سے ایک تو سک کے مفہوم کی تعیین ہو جاتی ہے۔ دوسرے ان سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلعم کے علاوہ دیگر مسلمان بھی قربانی کیا کرتے تھے کیونکہ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا: **واصاب سنت المسلمین** ۔ یہاں سنت سے مراد مسلمانوں کا عمل ہے فقہاء کی اصطلاح مراد نہیں۔

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہو گیا کہ سورۃ الانعام کی آیت میں نسک کا لفظ نص ہے عیدالاضحیٰ کے قربانی کے معنی پر۔

قربانی کے متعلق قرآن کریم میں مزید دو آیتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو حج کے ایام میں منیٰ میں کی جاتی ہیں۔ ان کے ذکر ختم کرنے کے معاً بعد کے ابتداء ہی میں فرمایا: **ولکل امة جعلنا منسکاً لیذکروا اسم الله علیٰ مارزقهم من بهیمة الانعام، فالهکم الٰه واحدفله اسلموا وبشرا المخبتین الذین اذا ذکر الله وجلت قلو بهم(22:35)** یعنی قربانی کا یہ وقت ہم نے مسلمانوں کی ہر جماعت کے لیے مقرر کیا ہے خواہ وہ کسی جگہ رہتی ہو۔ تا کہ وہ بھی حاجیوں کی طرح ان جانوروں پر خدا کا نام لے کر انہیں ذبح کریں جو خدا نے ان کو دیئے ہیں۔ پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے جیسا اس نے حاجیوں کو قربانی کرنے کا حکم دیا ہے ویسا ہی اس نے تم کو بھی قربانی کا حکم دیا ہے۔ پس اس حکم کی دل سے فرمانبرداری کرو اور لوگوں کو جو الٰہی احکام کے سامنے جھک جاتے ہیں بشارت دے دو۔ یہ لوگ ایسے ہیں جب اللہ کا ذکر آ جائے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں کہ کہیں اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہم سے نہ ہو جائے۔

دوسری آیت: اسی سورۃ حج کے 67 آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاد رہے کہ یہاں حج کا قطعاً کوئی ذکر نہیں بغیر حج کے ذکر کے ہی فرماتا ہے: **لکل امة جعلنا منسکاً هم ناسکوه فلاینازعنک فی الامر وادع الیٰ ربک انک لعلی هدی**

مستقیم ۔ وان جادلوک فقل الله اعلم بما تعلمون یعنی مسلمانوں کی ہر جماعت کے لیے ہم نے قربانی کا وقت یا قربانی مقرر کردی ہے اسی وقت ان کو قربانی کرنی چاہیے۔ پس اس امر میں مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ تم سے جھگڑا کریں۔ یہ تیرے ربّ کا حکم ہے اس کی طرف ان کو دعوت دیتے رہو۔ یقیناً تو ہی سیدھی ہدایت پر ہے۔ اگر یہ لوگ تم سے جھگڑا کریں تو ان کو کہہ دو کہ اللہ تمہارے کرنے کے قابل عملوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ یہ تو پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ نسک کے معنی عیدا لاضحیٰ کے موقعہ کی قربانی ہی ہے اس لیے منسک کے معنی میں اس قربانی یا اس وقت کے کیے کی طرف ظرف بھی ہے۔

احادیث سے قربانی کے وجوب کا ثبوت

پہلی حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ان رسول الله صلعم قال من کان له سعة ولم یضحّ فلایقربن مصلانا یعنی جس شخص کو مالی کشائش حاصل ہو اور پھر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری نمازگاہ کے قریب نہ آئے۔ اس حدیث پر جرح کا جواب میں دے چکا ہوں۔

دوسری حدیث: اس کے الفاظ یہ ہیں جسے مخنف بن سلیم نے روایت کیا ہے: قال کنا مع النبی صلعم فسمعتہ یقول یایھا الناس علیٰ کل اھل بیت فی کل عام اضحیة یعنی ہر گھر والے پر ہر سال قربانی واجب ہے۔ اس حدیث کو ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اس کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں صراحت کے ساتھ قربانی کے واجب ہونے پر دلالت کررہی ہیں۔

تیسری حدیث: عیدالاضحیٰ کے دن آنحضرت صلعم جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضورؐ نے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا اور دوسرے صحابہؓ کو فرمایا کہ تم اب کرو۔ اس پر بخاری اور مسلم دونوں متفق ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو آنحضور صلعم ایسے صحابہؓ کو جنہوں نے نماز سے پہلے قربانی کر دی تھی دوبارہ کرنے کا حکم نہ دیتے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ قربانی حضرت نبی کریم صلعم کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی کیونکہ آنحضور صلعم نے دیگر مسلمانوں کو قربانی کرنے کا ارشاد فرمایا اور جنہوں نے اس بارے میں غلطی کی تھی انہیں اعادہ کا حکم دیا۔

چوتھی حدیث: جب حضرت نبی کریم صلعم نے اعلان کیا کہ جس شخص نے قربانی کا جانور نماز سے قبل ذبح کر دیا ہے اس کی قربانی نہیں ہوئی وہ دوبارہ قربانی کرے۔ تو ابو ہریرہؓ بن نیار صحابیؓ کھڑے ہوگئے اور کہا کہ میں نے اس خیال سے کہ عید کا دن ہے میں اپنے اہل اور پڑوسیوں کو سب سے پہلے گوشت کھلواؤں نماز سے قبل ہی قربانی کر دی اب دوبارہ قربانی کے لیے تو میرے پاس صرف جذعہ ہی ہے یعنی ایک سال سے کم عمر کا بچہ۔ آنحضور صلعم نے اسے جذعہ کی ہی قربانی دینے کی اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ تمہارے بعد کسی اور کے لیے جذعہ کی قربانی جائز نہیں ہوگی اور نہ یہ قربانی سمجھی جائے گی۔ اس واقعہ سے دو باتیں ثابت ہیں۔ ایک تو یہ کہ صحابیؓ قربانی کرنے پر کس قدر حریص تھے۔ دوسرے قربانی کا وجوب بھی اس سے ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ اگر یہ واجب نہ ہوتی تو اسے جذعہ ذبح کرنے کی اجازت کیوں دی جاتی جس کا ذبح کرنا عام حالات میں ممنوع ہے۔

ایک مضحکہ خیز روایت

مندرجہ بالا واقعہ ''طلوع اسلام'' میں درج شدہ ایک روایت کو مضحکہ خیز ثابت کررہا ہے۔ صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے:۔ ''بلالؓ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے مرغ ذبح کیا''۔ کیا یہ روایت مضحکہ خیز نہیں۔ رسول کریم صلعم تو جذعہ کی قربانی کو بھی قربانی قرار نہ دیں اور حضرت بلالؓ جیسا جاں نثار اور عاشق صحابی حضرت نبی کریم صلعم کے صریح ارشاد اور فتویٰ کے خلاف عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر مرغ ذبح کر کے سمجھ لے کہ اس نے قربانی کے فریضہ کو ادا کر دیا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کا مطلب یا تو یہ ہوسکتا ہے کہ کسی اور موقع پر انہوں نے مرغ ذبح کیا ہوگا۔ یا ہوسکتا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کی توفیق نہ پانے کی وجہ سے انہوں نے اپنے کھانے کے لیے مرغ ذبح کرلیا ہو ورنہ قربانی کے فریضہ کو ادا کرنے کے لیے تو وہ مرغ ذبح نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے اگر منکرین وجوب کو اپنے خیال کی صحت پر اصرار ہو تو وہ غور کریں کہ یہ روایت تو ان کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اگر حضرت بلالؓ اسے واجب نہ سمجھتے تو مرغ ذبح کرنے کی بھی انہیں کیا ضرورت تھی وہ عدم استطاعت کی وجہ سے کچھ بھی ذبح نہ کرتے۔

پانچویں حدیث: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے: اقام رسول الله صلعم بالمدینة عشر سنین یضحّی (رواہ الترمذی) یعنی حضرت نبی کریم صلعم مدینہ دس سال رہے اور قربانی کیا کرتے تھے۔ اس پر ''طلوع اسلام'' کے مقالہ نگار نے یہ جرح کی ہے کہ حج تو چھٹے سال فرض ہوا تھا دس سال قربانی کرنا کس طرح ثابت ہوسکتا ہے۔ معترض کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت نبی کریم صلعم ہر اس عمل کو باقاعدہ بجالاتے تھے جس کا حکم پہلی شرائع میں پایا جاتا تھا بشرطیکہ اس میں شرک کا شائبہ نہ ہو۔ جیسا کہ رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے عاشورہ کا روزہ باقاعدہ رکھتے رہے اور صحابہؓ کو بھی یہ حکم دیتے رہے۔ چونکہ حج حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ فرض ہو چکا ہوا تھا جیسا کہ سورۃ الحج آیت 29 سے ثابت ہے اور عرب کے قبائل اس فریضہ کو باقاعدہ ادا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلعم جب مکہ میں تھے تو حضورؐ نے بھی دو حج مکّہ میں قیام کے دوران کیے جیسا کہ نیل الاوطار جلد۴ صفحہ ۳۳۵ سے ظاہر ہے اور مدینہ میں آنے کے بعد چونکہ آنحضور صلعم فریضہ حج کو ادا کرنے سے قاصر تھے اس لیے حج کے باقاعدہ فرض ہونے سے قبل بھی ایّام حج میں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کرنا آنحضور صلعم کے طریق کے بالکل مطابق تھا۔ یہ

حضرت ابراہیمؑ کی سنت کی پیروی تھی اس لیے اس میں کوئی استبعاد عقلی نظر نہیں آتا خصوصاً جب کہ اس کی تائید میں حضرت ابن عمرؓ جیسے ثقہ صحابی کی روایت بھی موجود ہو۔ پس آنحضور صلعم کی اتنے طویل عرصہ تک مواظبت بھی اس کے وجوب پر ہی دلالت کرتی ہے۔

چھٹی حدیث: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا: **ما عمل ابن اٰدم من عمل یوم النحر عملاً احب اللہ عزّ وجل من اھراق دم فطیبوا بھا نفساً** یعنی قربانی کے دن ابن آدم کا کوئی عمل جانور کی قربانی دینے سے زیادہ خدا کو محبوب نہیں۔ اس لیے اے مسلمانو! دل کی خوشی سے قربانی کیا کرو۔ دوسری حدیث میں آتا ہے **وان الدراھم لم تنفق فی عمل صالح افضل من الاضحیۃ** یعنی وہ روپیہ جو قربانیوں کے جانور خریدنے پر خرچ کیا جاتا ہے وہ تمام ان روپوں سے افضل ہے جو کسی اور نیک کام پر خرچ کیے جاتے ہیں۔ انصاف سے بتلائیے کہ قربانی پر ترغیب دلانے کے لیے ان الفاظ سے بڑھ کر بھی کوئی الفاظ ہو سکتے ہیں۔

ساتویں حدیث: ابوداؤد اور نسائی میں روایت ہے کہ حضرت نبی کریم نے فرمایا جس نے ذوالحجہ کا چاند دیکھا اور اس نے قربانی کا ارادہ کیا اسے چاہیے کہ قربانی کے جانور کو ذبح کرنے سے قبل نہ تو بال ترشوائے نہ ناخن کٹوائے۔ روایت تو قربانی کے وجوب پر صاف دلالت کرتی ہے لیکن عقاد صاحب نے اس کی اہمیت کو گرانے کے لیے ایک عجیب سوال اٹھایا ہے۔ لکھتے ہیں ان میں تو ارادہ کا ذکر ہے۔ تعجب ہے کہ ایک مصری عالم اس حد تک عربی زبان سے ناواقف ہو کہ ارادہ کے صحیح استعمال کا بھی اس کو علم نہ ہو۔ ان کے علم میں اضافہ کے لیے میں ان کی توجہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کی طرف مبذول کراتا ہوں۔ سورۃ الحج آیت 25 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **ومن یرد فیہ بالحاد وبظلم نذقہ من عذاب الیم** یعنی جو شخص بیت الحرام میں الحاد اور ظلم کا ارادہ کرے اس کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ تو سوال پیدا ہوتا کہ کیا مجرد ارادہ پر ہی خدا کا عذاب ارادہ کرنے والے پر نازل ہو جائے گا حالانکہ رسول اکرم صلعم تو فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بُرے فعل کا ارادہ کرے پھر ترک کر دے تو اس کے اعمال نامہ میں ایک نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ قرآن کریم سے بھی یہی ثابت ہے کہ محض ارادہ پر سزا نہیں دی جاتی۔ ان دوستوں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ غریب پر چونکہ قربانی واجب نہیں اس لیے حدیث میں ارادہ کے لفظ کا استعمال ہی مناسب تھا۔

یہ تمام احادیث ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں

عقاد صاحب نے وجوب پر دلالت کرنے والی احادیث کو ردّ کرنے کی وجہ صرف یہ بتلائی ہے کہ ان کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے۔ میں حیران ہوں کہ ایک عالم کی قلم سے ایسی کمزور دلیل کس طرح نکل سکتی ہے خصوصاً جب کہ اس کو اچھی طرح اس بات کا علم ہو کہ ضعیف حدیث کی تائید جب دوسری احادیث سے ہو جائے تو اس سے اسے قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اب جب کہ اتنی حدیثوں کا مضمون احادیث کی تائید کر رہی ہو تو ان کے قوی ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا فتویٰ

صحابہؓ قربانی کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے اس کا پتہ حضرت ابن عمرؓ جیسے جلیل القدر اور شریعت کے مغز اور اس کی روح کو سمجھنے والے صحابہؓ کے مندرجہ ذیل قول سے لگتا ہے: محمد بن سیسرین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا قربانیاں واجب ہیں تو انہوں نے اس سوال کا جو جواب دیا وہ ہر سچے مسلمان کے لیے اس مسئلہ میں مشعل راہ کا کام دے سکتا ہے۔ فرمایا: **ضحی رسول اللہ صلعم والمسلمون من بعدہ وجرت بہ السنۃ** یعنی حضرت نبی کریم صلعم نے قربانی کی اور حضور صلعم کے بعد مسلمانوں نے قربانی کی اور اسی عمل پر سنّت جاری ہو گئی۔ یہاں سنت کا لفظ فقہائے کی اصطلاح والی سنت نہیں بلکہ اسی مفہوم میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے جس مفہوم میں حدیث میں **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین** میں استعمال ہوا ہے۔ پس حضرت ابن عمرؓ کے قول کے معنی یہ ہوئے کہ اسی طریق پر مسلمان گامزن چلے آرہے ہیں۔ سائل نے دوبارہ پوچھا تو آپؓ نے فرمایا: **اتعقل ضحّی رسول اللہ صلعم والمسلمون** یعنی کیا تجھے عقل ہے حضرت نبی کریم صلعم نے قربانی کی اور مسلمانوں نے کی۔ مطلب یہ کہ ابھی بھی تجھے اس کے وجوب میں شک ہے۔ اہل علم نے اس حدیث پر یہی کہا ہے کہ گو جواب میں سنت کا لفظ ہے لیکن مستحب یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے ورنہ سنت کا اصل مفہوم وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔

مسلمانوں کا عمل

مندرجہ بالا بیان سے حضرت ابن عمرؓ کی صرف رائے ہی ظاہر نہیں ہوتی ہے بلکہ نبی کریم صلعم کے علاوہ مسلمانوں کا عمل بھی واضح ہو جاتا ہے جہاں حضورؐ نے فرمایا: جس شخص نے نماز کے بعد قربانی کی **ثمّ نسک واصاب سنۃ المسلمین** یعنی اس کی قربانی تکمیل کو پہنچ گئی اور اس نے صحیح طور پر مسلمانوں کے عمل کی پیروی کی۔ دوسرے بخاری کی مندرجہ ذیل حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے: امامہ بن سھل کہتے ہیں: **کن نسمن الاضحیۃ بالمدینۃ وکان المسلمون یسّمنون** یعنی ہم مدینہ میں قربانی کے جانوروں کو موٹا کیا کرتے تھے اور تمام مسلمان بھی موٹا کیا کرتے تھے۔

اُمت کا اجماع

مشکوٰۃ کے باب الاضحیۃ میں حاشیہ پر لکھا ہے:

وھی مشروعۃ فی اصل الشر یعتہ بالا جماع

قربانی کی جگہ نقد روپیہ دینا اُسوہ رسول اللہ صلعم کے خلاف ہے

مسلمانوں میں رائج قربانی کی سنت کو ختم کرانے

والوں کا بڑا زور اس بات پر ہے کہ اس کی جگہ اگر نقد روپیہ دیدیا جائے تو رفاہ عامہ کے کئی کام اس روپیہ سے انجام پا سکتے ہیں۔ لیکن ان کی تجویز بھی گو بظاہر بعض لوگوں کو مفید نظر آتی ہو لیکن قربانی کی حقیقی روح اور اسوۃ رسول اللہ صلعم کے خلاف ہے اور ہم کو قرآن کریم کی آیت **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم لآخر وذکر اللہ کثیراً** (21:33)۔ اور حدیث **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین** میں حضرت نبی کریم صلعم کے اسوۂ پر ہی عمل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ پس اس ہدایت کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلعم کے مبارک عہد میں مدینہ میں جب قحط پڑا اور غرباء کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی تو آنحضور صلعم نے ان کو فاقہ سے بچانے کے لیے کیا طریق اختیار کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ وقت ایسا تھا کہ اگر خدا کی شریعت میں قربانی کی جگہ نقد روپیہ دینا جائز ہوتا تو آنحضور صلعم ضرور قربانیوں کو روک دیتے اور صحابہؓ کو نقد روپیہ دینے کی تلقین فرماتے کیونکہ اس سے بڑھ کر نقد روپیہ جمع کرنے کا اور کوئی انتہائی مناسب موقع نہیں آسکتا تھا لیکن آنحضور صلعم نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا کہ قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھاؤ۔ تین دن کھانے کے بعد جو گوشت بچ رہے وہ غرباء میں تقسیم کردو۔ یاد رہے کہ اُس زمانہ میں لوگ قربانی کا گوشت خشک کر کے رکھ لیتے تھے اور کافی دنوں تک اسے استعمال کرتے رہتے تھے۔ اس لیے قحط کے ایام میں آنحضور صلعم نے تین دن سے زیادہ استعمال کرنے سے منع فرمایا اور بچے ہوئے گوشت کو غرباء میں تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔ جب قحط دُور ہوگیا تو اس حکم کو واپس لے کر تین دن سے زیادہ استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔

حضرت نبی کریم صلعم کے اس عمل سے ظاہر ہے کہ ضرورت خواہ کتنی ہی شدید ہو قربانی بند نہیں کی جاسکتی اور نقد روپیہ کو اس کا عوض نہیں بنایا جاسکتا۔ ہاں قربانی کے گوشت اور اس کی کھالوں وغیرہ کی قیمت سے غرباء کی مدد کی جاسکتی ہے یا رفاہِ عامہ کے دیگر کاموں میں اس روپیہ سے مدد کی جاسکتی ہے۔ اب یہ حکومت کا کام ہے کہ گوشت کے علاوہ قربانی کے جانور کی جتنی دوسری چیزیں ہیں ان کو جمع کرنے کا انتظام کرے اور ان سے رفاہِ عامہ کے کاموں میں فائدہ اٹھائے۔

قربانی میں حکمت اور مصلحت

قربانی کے وجوب کو حضرت نبی کریم صلعم اور مسلمانوں کے عمل کے ذریعہ اور ان کے اجماع کے ذریعہ اور اس کے عوض روپیہ نہ دینے کو خلاف اسوہ رسول اکرم صلعم ثابت کرنے کے بعد اب صرف ایک ہی امر باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے قربانی کی حکمت اور اس کی مصلحت کا بتلانا، جس کا مطالبہ عقاد صاحب نے ہم سے کیا ہے۔ سو ذیل میں اس کی حکمت، مصلحت، ضرورت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

زید بن ارقم سے روایت ہے: **قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ ماھذہ الاضاحی۔ قال سنۃ ابیکم ابراھیم قالوا مالنا فیھا یا رسول اللہ قال بکل شعرۃ حسنۃ قالوا ماالصوف یا رسول اللہ۔ قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ**۔ حضرت نبی کریم صلعم سے صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! ان قربانیوں کی کیا حقیقت ہے یعنی یہ کیوں فرض کی گئی ہے۔ جواب میں آنحضور صلعم نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: ہمیں ان میں کیا فائدہ ہے۔ فرمایا: بکری بھیڑ وغیرہ کے ہر ایک بال کے عوض ایک نیکی کا ثواب تمہیں ملے گا۔ حضورؐ کے یہ الفاظ جس اہمیت کے حامل ہیں وہ ظاہر ہی ہے لیکن حضورؐ کے جواب میں الفاظ سنۃ ابیکم ابراھیم اس کی حکمت اور مصلحت پر وافر روشنی ڈال رہے ہیں۔ آنحضور صلعم کے یہ الفاظ ہمیں اس بات پر غور کرنے کی دعوت دے رہے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ سنت کی طرح قائم ہوئی۔ سورۃ صافات ۳۷:۱۰۵ تا ۱۱۱ میں اس سنت کے قیام کی تفصیل بتلائی گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے رؤیا میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ باپ اور بیٹا دونوں اس رؤیا کو ظاہری شکل میں پورا کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ تو خدا تعالیٰ نے آواز دی: **یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المحسنین۔ ان ھذا لھو البلؤا لمبین۔ وفدیناہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الآخرین۔ سلام علیٰ ابراھیم کذالک نجزی المحسنین۔ انہ من عبادنا المؤمنین**۔ اے ابراہیم تو نے اپنی رؤیا کو سچا کر دکھلایا۔ خدا تعالےٰ کے احکام کو اچھی طرح بجالانے والوں کو ہم اسی بناء پر جزا دیا کرتے ہیں یقیناً یہ کھلا کھلا یعنی حقیقی فرمانبردار کو نافرمان سے الگ کر دینے والا امتحان تھا۔ ہم نے اس کی یعنی فرمانبردار ارجمند کی جان کو ایک ذبح عظیم کے ذریعہ بچا لیا یعنی اس کے عوض ایک ایسی قربانی کا حکم دیا جو قیامت تک جاری رہنے اور اپنی افادیت کی وجہ سے عظیم کہلانے کی مستحق ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی اس عظیم الشان قربانی کی بنا پر ہم نے آنے والی نسلوں میں اس ذبح عظیم کو بطور یادگار بنا دیا تا آنے والی نسلیں قربانی کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ کی اس عظیم الشان قربانی کو مدنظر رکھیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو اس عظیم الشان قربانی کے عوض ہماری طرف سے سلامتی کا انعام ملا یعنی ان کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ رکھا گیا۔ ہم اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے والوں کو ایسی ہی جزاء دیا کرتے ہیں یقیناً وہ ہمارے حقیقی مؤمن بندوں میں سے تھا۔

موجودہ قربانی حضرت ابراھیمؑ کی قربانی کو یاد دلاتی ہے

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر جو مسلمانوں کو قربانی کا حکم دیا گیا ہے وہ اس قربانی

کو یاد دلانے کے لیے ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے الٰہی ارشاد کی تعمیل میں کی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کی راہ میں جس قدر فنا ہوئے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگتا ہے کہ خدا کا جو حکم بھی ان کو ملا اس کی انہوں نے پورے انشراح صدر کے ساتھ فوراً تعمیل کر دی۔ اگر بیوی اور چھوٹے بچے کو ایسے بیابان میں چھوڑ آنے کا حکم ہوا جہاں کھانے پینے کا قطعاً کوئی سامان نہ تھا تو اس کو بجا لانے میں ذرّہ بھی تردّد نہیں کیا بلکہ فوراً اس کی تعمیل کر دی۔ اگر وطن چھوڑنے کا حکم ہوا تو اس کی تعمیل میں وطن کو خیر باد کہہ دیا۔ اگر خدا کی راہ میں خویش و اقارب سے قطع تعلق کرنے کی نوبت آئی تو ان سے قطع تعلق کر لیا اور بالآخر اگر جوان بچے کو قربان کرنے کا حکم ہوا تو اس کے گلے پر چھُری پھیرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس سے بچنے کے لیے خواب کی تعبیر کی طرف بھی دل کو مائل نہیں ہونے دیا۔

خدا تعالےٰ کا سرٹیفکیٹ

اللہ تعالےٰ نے تمام آزمائشوں میں پورا اترنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: **واذابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن** (۲:۱۲۵) یعنی حضرت ابراہیمؑ کو اس کے ربّ نے چند باتوں سے آزمایا اور اس نے ان سب باتوں کو پورا کر کے دکھلا دیا۔ پھر فرمایا: **واذقال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لربّ العالمین** (۲:۱۳۲) یعنی جب اس کے ربّ نے اس کو کہا کہ کامل فرمانبرداری کا نمونہ دکھایئے تو جواب دیا کہ میں نے تو اپنے آپ کو پوری طرح ربّ العالمین کے سپرد کر دیا ہوا ہے۔

ان کی اس کامل اطاعت اور مکمل فنافی اللہ کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: **ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ** (۲:۱۳۱) یعنی حضرت ابراہیمؑ کے طریق کو اختیار کرنے سے کون بے رغبتی کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ اس سے بے رغبتی وہی شخص کرے گا جو انتہائی درجہ کا احمق اور اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے کی اہلیّت نہیں رکھتا ہوگا۔

جذبات کی بے نظیر قربانی

بیوی اور ننھے بچہ کو جس کی شکل بڑھاپے میں اس وقت دیکھنی نصیب ہوئی ہو جب کہ دونوں میاں بیوی کو اولاد سے مایوسی ہو چکی تھی اور اس کو بیابان میں چھوڑ آنا بے شک جذبات کی بڑی قربانی ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر جذبات کی قربانی کا وہ موقعہ آیا جب کہ وہ بچہ جوان ہو کر بڑھاپے میں باپ کے کام میں اس کا ہاتھ بٹانے کے قابل بن چکا ہوا اور آگے اولاد ہونے کی بظاہر کوئی امید نہ ہو۔ ایسی حالت میں خدا کی طرف سے حکم آتا ہے کہ اس بچے کو ذبح کر ڈالو اور حضرت ابراہیمؑ اس حکم کو بجالانے میں ذرّہ بھی تردّد نہیں کرتے۔ اللہ اللہ جذبات کی، دل کی تمام امنگوں کی جو اس بیٹے کے ساتھ وابستہ ہوں گی کتنی بڑی قربانی ہے۔ ہر باپ خود ہی اس کا تصور کر سکتا ہے۔

علم النفس کا ایک مسئلہ

علم النفس میں ایک مسئلہ ASSOCIATION OF IDEAS کا ہے جس کے معنے ہیں ایک چیز کو دیکھ کر ذہن فوراً ان اُمور اور واقعات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ فوراً یاد آ جاتے ہیں جو اس چیز کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں خواہ ان واقعات پر طویل عرصہ ہی کیوں نہ گذر چکا ہو۔ اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کو جاری رکھا گیا ہے تا قربانی کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ کی لازوال قربانیاں ذہن میں آ جائیں جو انہوں نے اللہ تعالےٰ کے احکام کی تعمیل میں کیں۔ اور ہر قربانی کرنے والے کو اس بات کے لیے ازسر نو تیار اور مستعد کر دیں کہ خدا تعالےٰ کی راہ میں جناب ابراہیمؑ کی طرح اپنی ہر قیمتی سے قیمتی اور عزیز سے عزیز چیز کو دل کی خوشی سے قربان کرنے کے لیے بغیر تردّد کے آمادہ رہیں۔ اگر قربانی کا وقت آئے تو مال کی قربانی کر دے۔ عزیز و اقارب کی قربانی دینی پڑ جائے تو ان کو قربان کرنے میں بھی اسے تامّل نہ ہو۔ خواہشات نفسانی کی قربانی کرنی پڑے تو ان کو قربان کرنے کے لیے بھی ہر وقت تیار رہے۔ بیوی، بچوں کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دے۔ وطن عزیز سے ہجرت کرنی پڑے تو ہجرت کر جائے۔ غرضیکہ خدا کو خوش کرنے اور اس کے دین کو قائم کرنے کے لیے جو قربانی بھی اسے دینی پڑے اس کو دینے میں وہ اپنے دل میں ذرہ بھی انقباض محسوس نہ کرے۔ یہی حضرت ابراہیم کی سنّت ہے جس پر کاربند ہونے کا مطالبہ اللہ تعالےٰ ہر مسلمان سے کرتا ہے اور یہی اسلام کی روح ہے جس پر خدا اور اس کا رسول صلعم ہم کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔

خدا تعالیٰ تک کیا چیز پہنچتی ہے

اسی لیے جانوروں کی قربانی کے متعلق فرمایا: **لن ینال اللہ لحومھا ولادماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم** (۲۲:۳۸) یعنی خدا تعالیٰ تک تمہاری قربانیوں کے نہ گوشت پہنچتے ہیں اور نہ خون بلکہ ان قربانیوں کے ذریعہ تمہاری طرف سے صرف تقویٰ پہنچے گا یعنی اطاعت و فرمانبرداری کا وہ جذبہ اور خدا کی راہ میں فنا ہونے کی وہ روح پہنچے گی جس کا نمونہ حضرت ابراہیمؑ نے دکھلایا اور جس کو یاد کرانے کے لیے تم سے یہ قربانیاں کرائی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ علم النفس کے مندرجہ بالا اصول کے ماتحت جانوروں کی قربانی ہی ایسا ذریعہ ہے جو قربانی کرنے والے کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کی قربانیوں کا نقشہ کھینچ سکتی ہے اور جو ہمیں خدا اور اس کے دین متین کی راہ میں ایسی ہی قربانیاں کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔ محض مال کا دے دینا کبھی بھی اس مقصد کو پورا نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے ساتھ قدموں کو ڈگمگا دینے والے وہ واقعات وابستہ نہیں جو حضرت ابراہیمؑ کو پیش آئیں اور جن میں وہ پوری طرح ثابت قدم رہے۔

پس یہ وہ حکمت اور مصلحت ہے جس کی بناء پر مال دینے کی بجائے جانوروں کی قربانی کا حکم شریعت میں دیا گیا ہے اور یہ ایسی حکمت ہے جو بغیر جانور کی قربانی کے پوری ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ الحج میں اللہ تعالےٰ نے ایام حج میں قربانیوں کا ذکر کرنے کے معاً بعد

مسلمانوں کو مال اور جان کی قربانی دینے کا حکم دیا ہے۔ یعنی ارشاد فرمایا کہ کفار جو تمہارے دین کو مٹانا چاہتے ہیں ان کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اموال خرچ کرنے پڑیں تو کرو۔ جانیں قربان کرنی پڑیں تو کرو۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کی قربانیوں کو خدا تعالیٰ نے ضائع نہیں کیا تھا بلکہ ان کا بہترین صلہ عطا کیا تھا۔ یہاں بھی تمہاری ان قربانیوں کو خدا ضائع نہیں کرے گا بلکہ اس کی نصرت تمہارے شامل حال ہوگی اور تمہارے دین کی جڑیں ایسی مضبوط کر دے گا کہ ان کو کوئی بھی اکھاڑ نہیں سکے گا۔ اب ہر انصاف پسند غور کر لے کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر محض مال دینے سے کیا وہ غرض پوری ہو سکتی ہے جو ان قربانیوں سے خدا تعالیٰ کے مدّنظر ہے۔

○○

ملفوظات از حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

بہشت و دوزخ کی حقیقت

بہشت کی حقیقت

پہلے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بالکل خیال اور سادہ طور پر بہشت و دوزخ کو رکھا گیا تھا۔ حضرت مسیح موعود نے پھانسی پانے والے چور کو یہ تو کہہ دیا کہ آج ہم بہشت میں جائیں گے مگر بہشت کی حقیقت پر کوئی نکتہ بیان نہ فرمایا۔ ہم اس وقت اس کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ عیسائیوں کے انجیلی عقیدے اور بیان کے موافق وہ بہشت میں گئے یا ہاویہ میں۔ بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ بہشت کی حقیقت انہوں نے کچھ بیان نہیں کی۔ ہاں یوں تو عیسائیوں نے اپنے بہشت کی مساحت بھی کی ہوئی ہے۔ برخلاف اس کے قرآن شریف کسی تعلیم کو قصّے کے رنگ میں پیش نہیں کرتا بلکہ وہ ہمیشہ ایک علمی صورت میں اسے پیش کرتا ہے۔ مثلاً اسی بہشت و دوزخ کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے: ”جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا“ کیا مطلب کہ خدا تعالیٰ اور دوسرے عالم کے لذّات کو دیکھنے کیلئے اس جہان میں حواس اور آنکھیں ملتی ہیں۔ جس کو اس جہان میں نہیں ملیں اس کو وہاں بھی نہیں ملیں گے۔ اب یہ امر انسان کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ ان حواس اور آنکھوں کے حاصل کرنے کے واسطے اسی عالم میں کوشش اور سعی کرے تا کہ دوسرے عالم میں بینا اٹھے۔ ایسا ہی عذاب کی حقیقت اور فلسفہ بیان کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ کا عذاب ایک آگ ہے جس کو وہ بھڑکاتا ہے اور انسان کے دل ہی پر اس کا شعلہ بھڑکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب الٰہی اور جہنّم کی اصل جڑ انسان کا اپنا ہی دل ہے اور دل کے ناپاک خیالات اور گندے ارادے اور عزم اس جہنّم کا ایندھن ہیں۔ اور پھر بہشت کے انعامات کے متعلق نیک لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اسی جگہ نہریں نکال رہے ہیں اور پھر دوسری جگہ مومنوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کی جزاء کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”یعنی باغات کے نیچے نہریں بہتی ہیں“۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی ان باتوں کو قصّہ قرار دے سکتا ہے۔ یہ کیسی سچی بات ہے جو یہاں آبپاشی کرتے ہیں وہی پھل کھائیں گے۔ غرض قرآن شریف اپنی ساری تعلیموں کو علوم کی صورت اور فلسفہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔ اور یہ زمانہ جس میں خدا تعالیٰ نے ان علوم حقّہ کی تبلیغ کے لئے اس سلسلہ کو خود قائم کیا ہے۔ کشف حقائق کا زمانہ ہے۔

دوزخ کی حقیقت

قرآن شریف نے بہشت اور دوزخ کی جو حقیقت بیان کی ہے کسی دوسری کتاب نے بیان نہیں کی۔ اس نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ اس دنیا سے یہ سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ ولمن خاف مقام ربه جنتان۔ یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ اس کے واسطے دو بہشت ہیں۔ یعنی ایک بہشت تو اسی دنیا میں مل جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا خوف اس کو برائیوں سے روکتا ہے۔ اور بدیوں کی طرف دوڑ دل میں ایک اضطراب اور قلق پیدا کرتا ہے۔ جو بجائے خود ایک خطرناک جہنم ہے۔

☆☆☆

بانی سلسلہ احمدیہ کی وفات کا صدسالہ احمدیہ کنونشن

10-12 جولائی 2009ء کے لندن میں اجلاس اور ووکنگ سرے میں بین المذاہب سیمینار کی جھلکیاں
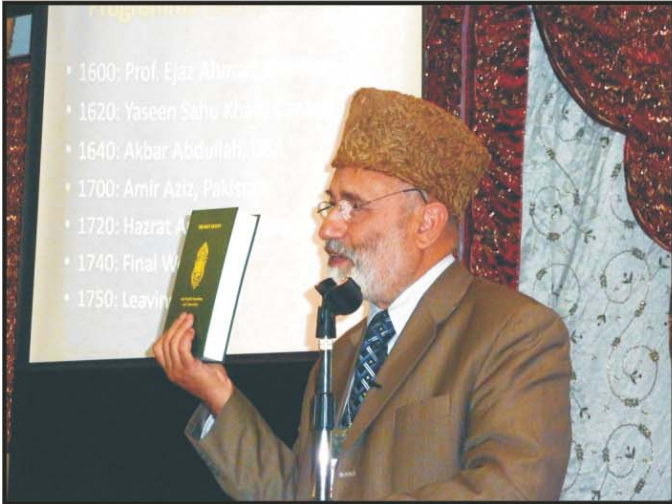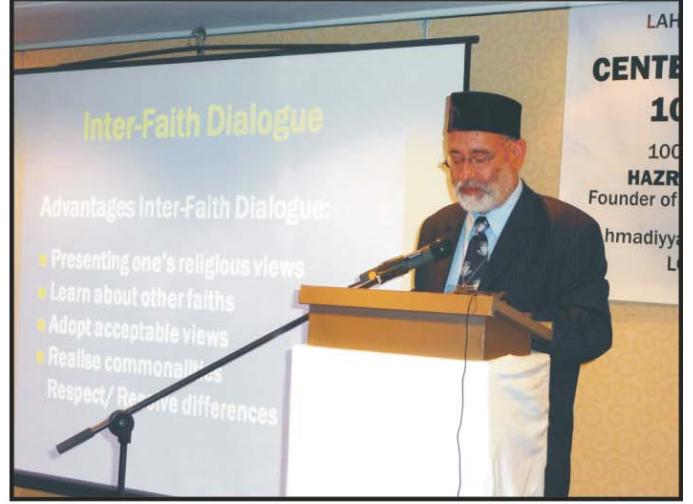
حضرت امیر ایدہ اللہ کا برلین، جرمنی کا دس روزہ دورہ

اوسلو،سویڈن میں بین المذاہب کانفرنس میں حضرت امیر ایدہ اللہ، جناب عبدالستو صاحب (ہالینڈ) اورڈاکٹر زاہد عزیز صاحب انگلستان کی شرکت جھلکیاں

حضرت امیر ایدہ اللہ کا دورہ راولپنڈی جماعت

حضرت امیر ایدہ اللہ مسجد احمدیہ راولپنڈی میں اجلاس کی صدارت فرما رہے ہیں۔ اس میں پروفیسر اعجاز احمد صاحب، محمود الرحمٰن صاحب، قاری محمد ارشد صاحب اور طاہر صادق صاحب نمایاں طور پر تقریر کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں
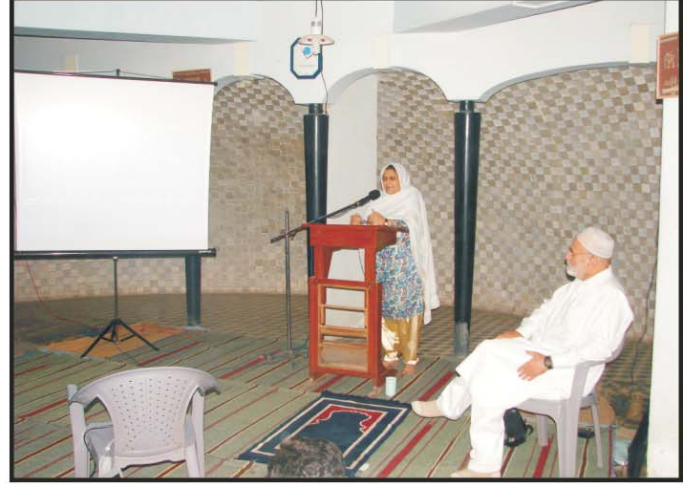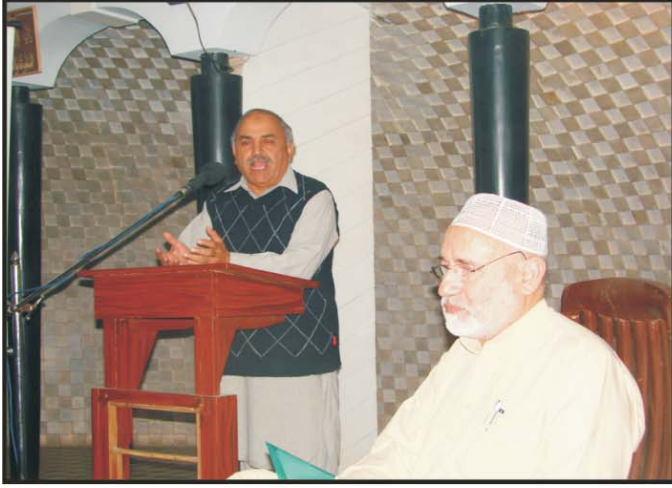
سالانہ تربیتی کورس اگست 2009ء کی جھلکیاں
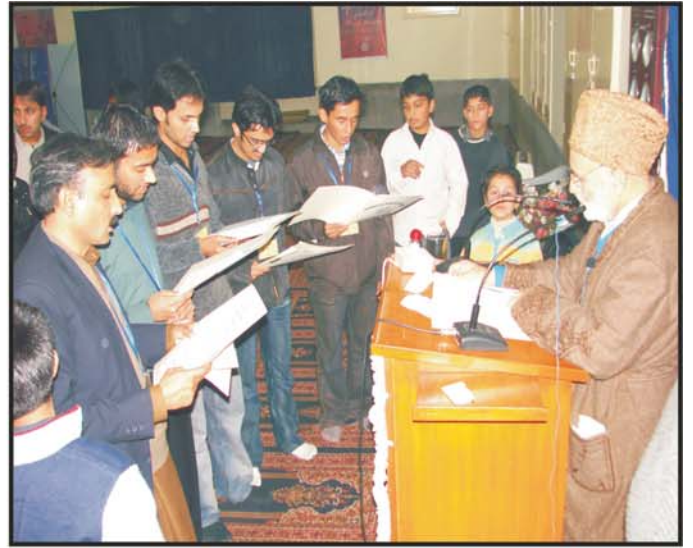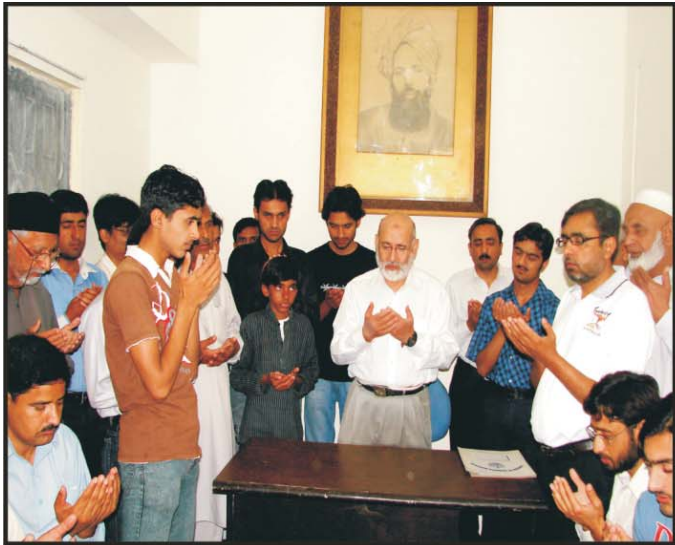
سرینگر (کشمیر) کے ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ کی لاہور میں آمد

حضرت امیر ایدہ اللہ کا دورہ چک 81، سرگودھا
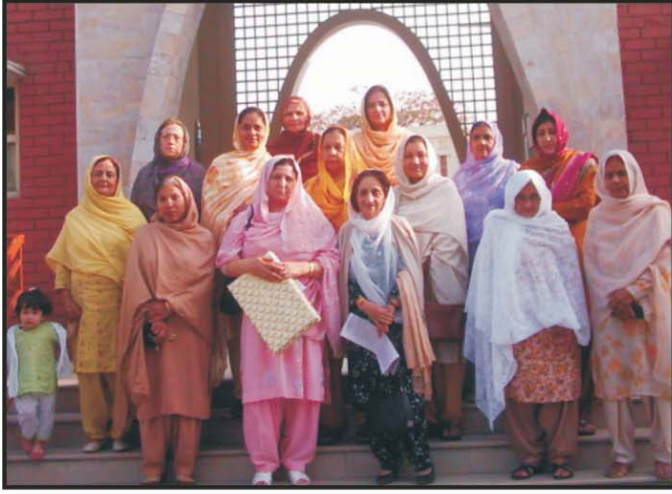
حضرت امیر ایدہ اللہ کا دورہ وزیرآباد

حضرت امیر ایدہ اللہ کا دورہ اوکاڑہ

ملک اعزاز الٰہی صاحب، راولپنڈی
سوات کے متاثرین کو امدادی چیک دے رہے ہیں

مولانا محمد علیؒ ڈسپنسری میں نئی الٹرا ساؤنڈ مشین کا افتتاح

یوم پاکستان اور نئے پارک کے افتتاح کے موقعہ کی جھلکیاں

دارالسلام کالونی میں خواتین اور بچوں کیلئے خصوصی پارک کا افتتاح
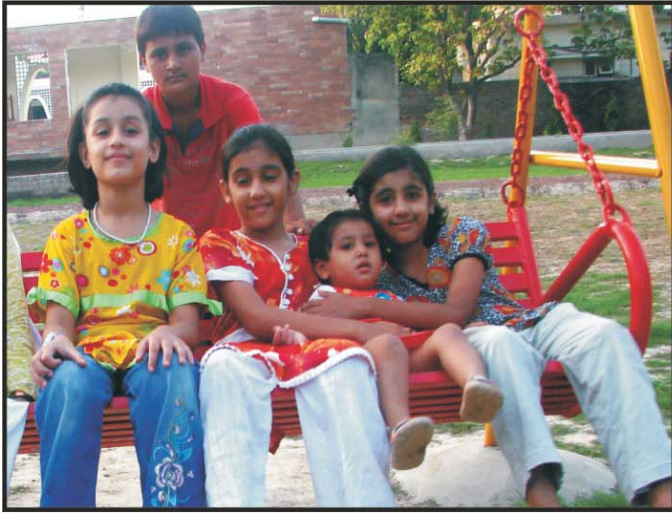
حضرت امیر ایدہ اللہ کا شیخ محمدی، پشاور کا دورہ 2009ء
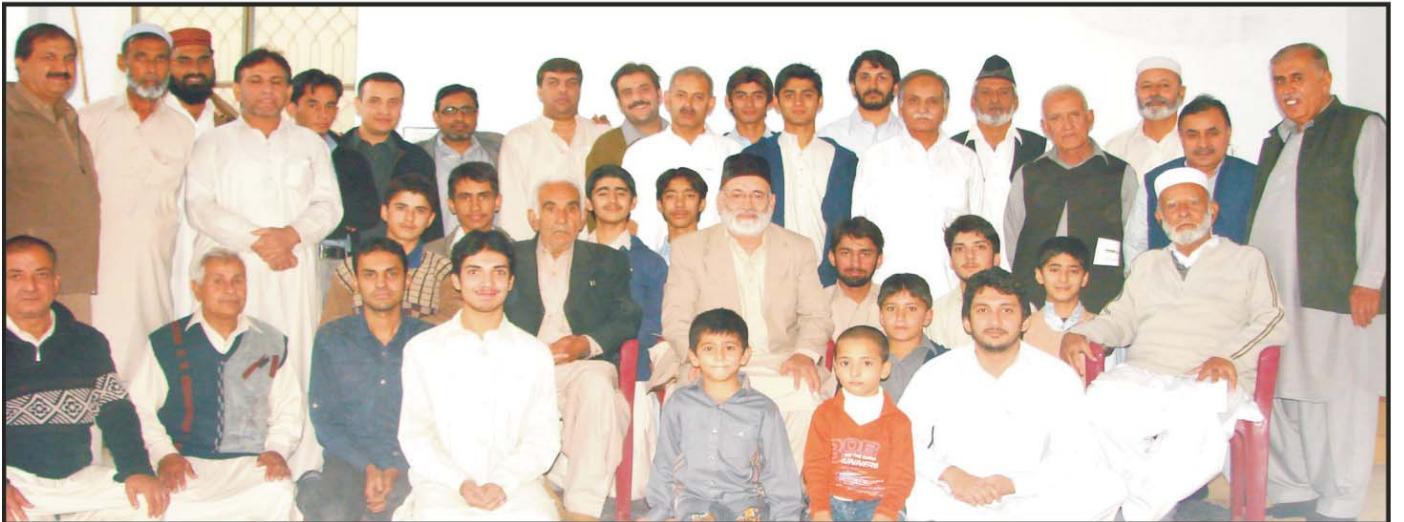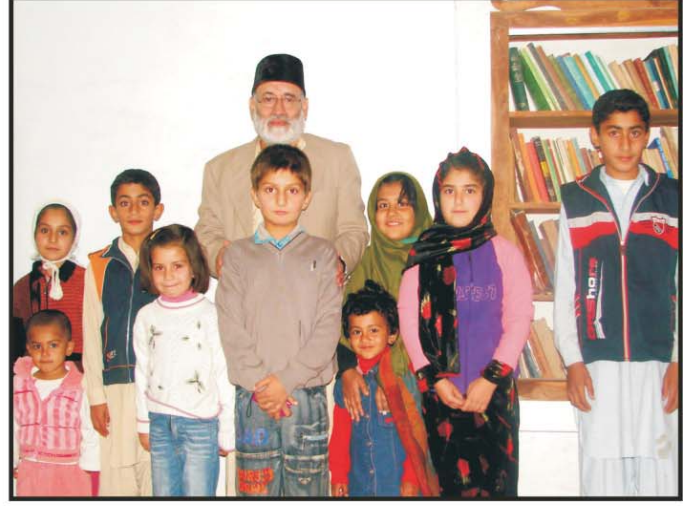
لندن مشن میں عیدالاضحیٰ کی تقریب کی جھلکیاں

ڈاکٹر مجاہد احمد سعید صاحب عیدالاضحیٰ کا خطبہ دے رہے ہیں

ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب خطبہ جمعہ دے رہے ہیں

عزیزہ حبیبہ انور صاحبہ (ایم ایل، لندن)، ممبر مجلسِ انتظامیہ، کی عید کے موقع پر الوداعی تقریب کی جھلکیاں

عیدالاضحیٰ کے موقع پر شایان احمد (دائیں طرف) اور عرفان احمد (بائیں طرف) سیرت رسول اکرمؐ پر تقریر کر رہے ہیں

شبان الاحمدیہ مرکزیہ سال 2009ء

سرگرمیوں کی جھلکیاں: افتتاح دفتر شبان الاحمدیہ، حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نوجوانوں سے بیعت لے رہے ہیں،

دورہ جات: ملتان، اوکاڑہ، چک 81۔ سرگودھا، وزیر آباد، پشاور مع سفید ڈھیری و شیخ محمدی، سرائے نورنگ (بنوں) اور راولپنڈی

جناب عامر عزیز صاحب (ایم اے سند یافتہ الازہر یونیورسٹی)
ٹرینیڈاڈ، گیانہ، سرینام، ہالینڈ وغیرہ کے دورہ جات کی چند جھلکیاں

ان دورہ جات کے دوران عامر عزیز صاحب، جنرل سیکرٹری مرکزی انجمن احمدیہ، لاہور نے بیرونی ممالک میں جماعت کی مساجد میں جمعہ کے اجتماعات، استقبالیہ جلسے، ریڈیو و ٹیلی ویژن پروگرام اور پریس انٹرویوز دیے

Tuesday January 27, 2009

Ahmadiyya Anjuman sends message of peace from Pakistan

As part of his worldwide visit, the General Secretary of the Ahmadiyya Anjuman Lahore International, Amir Aziz, has come to Guyana to meet the members of the Ahmadiyya Anjuman Lahore, Guyana and bringing a message of peace to the people of Guyana.

"I am visiting different parts of the world, and here in Guyana I will present a message of peace to the people of Guyana," said Aziz.

He added that since Guyana's population was a multicultural one, there was greater need for people to live in peace and tolerance.

He said that ultimately he ... other religions would respect Islam.

During his stay in Guyana, Aziz will visit the different counties, and in doing so, visit the different branches which Ahmadiyya Anjuman Lahore, Guyana has all over the country. After leaving Guyana, the General Secretary will travel to Trinidad and Tobago, Suriname and Holland, before returning to his home in Lahore, Pakistan.

He presented a lecture to Muslims gathered at the Ahmadiyya Anjuman branch on Brickdam yesterday, stressing the need for unity among all the peoples of the world, despite all of the problems

The General Secretary of Ahmadiyya Anjuman, Amir Aziz.

انگریزی سے ترجمہ: فائزہ عرفان علی (ایم ایس ایڈ)۔

قسط: دوئم

جہاد کا صحیح مفہوم

ڈاکٹر زاہد عزیز، ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی (انگلستان)

لیکن شہید کون ہے؟ جیسا کہ جہاد سے مراد ہرگز جنگ نہیں ہے اسی طرح ایک مسلمان جنگ کے علاوہ بھی کسی معاملہ میں مارا جاسکتا ہے اور شہید کہلاتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے: ''رسول اللہ صلعم نے اپنے صحابہ سے پوچھا: تم میں سے کون اپنے آپ کو شہید سمجھتا ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ کے رسول صلعم جو اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تب تو میری امت کے لوگوں میں تھوڑے لوگ شہید ہونگے۔ انہوں نے پوچھا: اللہ کے رسولؐ پھر وہ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جو اللہ کی راہ میں کسی اور طریق پر مارا جائے۔ جو شخص چیچک سے مرجائے وہ شہید ہے۔ وہ شخص جو ہیضہ سے فوت ہوجائے وہ شہید ہے۔''

(صحیح مسلم کتاب ۲۰ باب ۵۰ حدیث ۴۷۰۶)

کوئی شخص جو کسی طریق پر اسلام کی خدمت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔ اسی طرح کوئی شخص جو جنگ میں مارا جائے ضروری نہیں کہ وہ شہید ہو۔ اس کی وضاحت رسول اکرم ﷺ کی ذیل کی حدیث میں کی گئی ہے:

''سب سے پہلے جن لوگوں کا قیامت کے دن فیصلہ کیا جائے گا وہ لوگ جو شہید ہونگے۔ ان کو اللہ کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ ان کو کہے گا کہ اپنی رحمتوں کو شمار کرو۔ وہ ان کو شمار کرے گا۔ تب اللہ کہے گا: تم نے کیا کیا؟ وہ جواب دے گا میں نے تیری خاطر جنگ کی یہاں تک کہ میں شہید ہوگیا۔ اللہ کہے گا: تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم نے اس لیے جنگ کی کہ تمھیں ایک بہادر سپاہی کہا جائے اور تمہیں ایسا ہی کہا گیا۔ تب فیصلہ اس کے خلاف ہوگا اور اس کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا اور دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

(صحیح مسلم کتاب ۲۰، باب ۴۳ حدیث ۴۶۸۸)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر چہ ایک مسلمان ایک کام کو یہ سمجھ کر کرے کہ اس سے اس کو شہادت نصیب ہوگی لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اسے سزا کا مستحق گردانے کیوں کہ اس نے ایک جھوٹا دعویٰ کیا اور اس کے لیے اس کو سزا دی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں شہادت ایک روحانی مقام ہے جو موت کے بعد عطا کی جاتی ہے اور کسی کو یقین نہیں کہ کوئی شخص جو خدا کا کام کرتے ہوئے وفات پاجائے اللہ تعالیٰ ضرور یہ مقام اس کو عطا کرے گا۔

بہرحال ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ ایسا مقام کسی ایسے کام کے کرنے کے نتیجہ میں نہیں مل سکتا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ اگرچہ مرحوم کے متعلق یہی خیال ہو کہ اس نے اسلام کی حمایت میں اپنی جان گنوائی ہو یا کوئی کام سرانجام دیا ہو۔ اس بارے میں مزید وضاحت کرنے کی ضرورت ہے اور اس کو ہم زور دے کر کہہ سکتے ہیں کہ شہید وہی کہلاسکتا ہے یا اس کو یہ مقام عطا کیا جاسکتا ہے کہ دوسرے نے اس کے خلاف قدم اٹھایا ہو اور اس نے اس کی مزحمت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہو۔ یا ایسے حالات پیدا ہوگئے ہوں جو اس کے بس سے باہر ہوں۔ یہ بات اس حدیث میں بھی بیان ہوچکی ہے جس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔ جیسے کہ وہ شخص جو ہیضہ یا پلیگ سے فوت ہو جائے اور اس کو شہیدوں میں شامل کیا جائے گا۔ لیکن ظاہر ہے ایسی بیماری سے مرنے والے نے جان بوجھ کر ایسی بیماری میں مبتلا نہ ہوا ہو یعنی اس بارے میں جو حفاظتی تدابیر ہونی چاہئیں ان کو اختیار نہ کیا ہو۔ ایسا طریق سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے کہ شہادت کا درجہ حاصل کرنے کے لیے اس طریق کو اختیار کیا جائے۔ بلکہ حقیقت میں تو ایک مسلمان کو وہ تمام تدابیر اختیار کرنی ہیں تا کہ ایسی بیماریوں سے بچاؤ کیا جائے۔ لیکن اگر وہ غیر ارادی طور پر اس بیماری کا شکار ہوجائے اور اسلام کی راہ میں خدمت کرتا ہوا فوت ہوجائے تو اُسے آخرت میں بلند مقام حاصل ہوگا۔

اسی طرح اگر ایک مسلمان جنگ میں مارا جاتا ہے تو اس کی موت دشمن کے کسی عمل سے ہو یعنی وہ دشمن کے کسی رنگ میں حملے کو روکتے ہوئے اس کی موت واقع ہوجائے یا دشمن کے کسی خارجی عمل کے نتیجہ میں ہو جس سے بچاؤ کرنا اس کے بس سے باہر ہو۔ ان حالات میں شہادت کا مقام حاصل کرنا مندرجہ بالا شرائط سے مشروط ہوگا۔

خودکشی اسلام میں گناہ ہے اور اپنی حفاظت کرنا فرض ہے۔ اسلام کی واضح تعلیمات کی رو سے خودکشی ایک نہایت بڑا گناہ ہے۔ اس بارے میں اسلام کی ہدایت یہ ہے: ''اور اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو'' (۱۹۵:۲)

''اور اپنے لوگوں کو قتل نہ کرو'' (۲۹:۴)

احادیث میں رسول اکرم صلعم نے خودکشی کو سختی سے منع فرمایا ہے:

''جو کوئی کسی چیز کے ذریعہ خودکشی کرتا ہے اس کو دوزخ میں اسی چیز کے ذریعہ سزا دی جائیگی۔

(بخاری کتاب ۸ باب ۷۸ حدیث ۶۴۷)

صحیح مسلم میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہی ہے ''جس نے خودکشی کی اس کے لیے نماز جنازہ جائز نہیں ہے''۔ اس روایت میں درج ہے کہ رسول اکرم صلعم نے خود ایسے فوت شدہ شخص کا جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا جس نے خودکشی کی تھی۔ مسلمان ممالک میں خودکشی ایک جرم ہے اور اس کا مرتکب قانونی طور پر سزا کا مستحق ہے۔

خود کی حفاظت کرنا یا اپنی جان بچانا انسان کا فطری جذبہ ہے۔ ایسے اقدام کرنا جس سے اپنی یا کسی کی جان بچے، قرآن مجید میں اس کو بڑی عزت اور اولیت کا مقام دیا گیا ہے اور ان حالات میں اسلام بعض فرائض اور ممنوع چیزوں کی بھی استثناء دینے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن ایسا کرنا جان بچانے کے لیے ناگزیر ہونا چاہیئے۔

اس بارے میں ہم ذیل میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں:

(۱) جہاں قرآن مجید بعض چیزوں کے کھانے کو حرام قرار دیتا ہے جن میں سور کا گوشت بھی شامل ہے۔ لیکن ان کو کھانے کی اجازت بھی دیتا ہے اگر اس کو کھائے بغیر زندگی کو بچانا ناگزیر ہو جائے۔ ذیل کی دو آیات میں حرام چیزوں کو کھانے سے منع کرنے کے بعد قرآن مجید فرماتا ہے:

''پھر جو شخص بھوک سے مجبور ہو جائے گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' (۵:۳)

''پھر جو کوئی لاچار ہو جائے نہ خواہش کرنے والا نہ حد سے بڑھنے والا ۔تو تیرا رب بخشنے والا ، رحم کرنے والا ہے۔'' (۶:۱۴۵)

کہیں بھی قرآن میں ذکر نہیں کہ کوئی مسلمان اپنے اوپر موت وارد کرے اور اپنی جان کو بچانے کے لیے حرام چیزوں کو نہ کھائے۔ تو وہ ایک قسم کا شہید کہلائے گا۔

(۲) ایک مسلمان کو زبردستی اور تشدد کے حالات میں اپنی جان کو بچانے کے لیے ایمان سے انکار کرنا پڑے لیکن دل سے وہ مسلمان ہی رہے۔ اس کو قرآن مجید نے سزا سے مستثناء قرار دیا ہے ''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرتا ہے مگر وہ نہیں جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو بلکہ جس کا سینہ کفر پر کھل جائے تو ان پر اللہ کی طرف سے غضب ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔'' (۱۶:۱۰۶)

پس اگر ایک مسلمان کو اسلام کے دشمن کی طرف سے یہ دھمکی دی جائے کہ اگر اس نے اسلام سے انکار نہ کیا تو اس کو قتل کر دیا جائیگا یا کوئی اور خطرناک نتائج بھگتنے پڑینگے تو قرآن مجید اسکو جان بچانے کے لیے ظاہری طور پر انکار کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اگر کوئی بلا کسی مجبوری کے اپنے طور پر ایسا کرے۔ تو ایسا کرنا ایک بڑا گناہ ہے۔

(۳) اگر رمضان کے مہینے میں کسی مسلمان مرد یا عورت' نوجوان یا عمر رسیدہ کو روزہ سے جان کو خطرہ ہو تو یہ فرض ملتوی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر جان بوجھ کر کوئی اپنی جان کو روزے کے فرض کو ادا کرنے کی خاطر نقصان پہنچائے تو ایسا کرنا اسلام میں کوئی اچھا یا قابل تعریف عمل نہیں گنا جائیگا۔

(۴) یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ حج کا فریضہ ادا کرنا ایسے شخص پر فرض نہیں جس کی زندگی سفر کرنے سے خطرہ میں ہو۔

آخر میں جیسا کہ اس کتابچہ میں پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ لڑائی کی خاطر جان کو خطرہ میں ڈالنا اسلام نے اس حالت میں اجازت دی ہے کہ اسے اپنی جان کو بچانا ہو یا اس کی حفاظت کرنا مقصود ہو ورنہ اس کی موت اور بربادی یقینی امر ہو۔ مثال طور پر سورت حج ۲۲ کی آیات ۳۹ و ۴۰ کا حوالہ اباب ۴ میں دیا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی ہے اگر جنگ ان پر مسلط کی جائے اور ان کے پاس اور کوئی صورت باقی نہ رہے کہ وہ دشمن کو واپس دھکیل دیں اور اپنی جانیں اور اپنی عبادت گاہوں کو برباد ہونے سے بچا سکیں۔ دشمن کو طاقت کے ذریعہ واپس دھکیل کر اپنی جانوں کو بچانا خودکشی کرنا نہیں ہے۔

شہیدوں کو جنت میں کنواریوں کا بطور انعام ملنا

یہ عقیدہ اور خیال غلط ہے کہ ایک مسلمان آدمی جو شہادت کی موت مرتا ہے اس کو موت کے بعد کی زندگی میں ۷۲ کنواری لڑکیاں انعام کے طور پر دی جائینگی۔ اس تصور نے اسلام کو سخت بدنام اور مذاق کا موجب بنایا ہے اور وہ لوگ جو اسلام کی صحیح تعلیمات سے ناواقف ہیں ان کے لیے یہ بات ہنسی، ٹھٹھا اور مذاق کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کتابچہ میں ہم اسلام میں جنت یا اخروی زندگی کے باغات کے تصور کی تفصیل میں نہیں جاسکتے۔ لیکن اس سلسلہ میں ذیل کی باتوں کا جاننا ضروری ہے:

اولاً۔ اخروی زندگی کے انعامات مادی نہیں ہوں گے جیسے ہم اس دنیا میں لطف اندوز ہوتے ہیں۔ موت کے بعد کی زندگی ایک ایسی دنیا ہے جس کا تصور انسانی ذہن کا کرنا اس زندگی میں ممکن نہیں۔ انسان اُس دنیا میں ایک بالکل ہی مختلف زندگی گذارے گا جس کا اس زندگی میں معلوم کرنا یا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید فرماتا ہے:

''ہم نے تمھارے درمیان موت مقرر کردی ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمھاری مثل بدل کر لائیں۔ اور تمہیں اس صورت میں پیدا کریں جو تم نہیں جانتے۔'' (۵۶:۶۰، ۶۱)

قرآن مجید کے انگریزی تراجم نے اس آیت کے دوسرے حصہ کا ترجمہ یوں کیا ہے: تمہارے وجود کی فطرت کو بدل دیا جائیگا اور ایسے نئے طریق میں وجود میں لایا جائے گا جس کا تم کو ابھی تک علم نہیں'' (محمد اسد)۔

''ایسی صورت میں وجود میں لایا جائیگا جس کا تم کو علم نہیں۔'' (روڈویل)

''ہم تمہیں ایک دوسری صورت میں پیدا کرینگے اور تمہیں وہ صورت دینگے جس کا تمہیں علم نہیں'' (پکھتال)

جنت میں اخروی زندگی کی خوشیوں اور لذتوں کا اس دنیا کی زندگی میں نوعیت کا علم ہی نہیں ہوسکتا جیسے کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

’’پس کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔ اس کا بدلہ جو وہ کرتے تھے۔‘‘ (۳۲:۱۷)

’’یہی وجہ ہے کہ جنت میں اخروی زندگی کے بیان کو مثال کہا گیا جس کا وعدہ متقیوں کو دیا گیا ہے۔‘‘ (۱۳:۳۵اور۴۷:۱۵)

ثانیا: قرآن مجید میں تقریباً آٹھ مرتبہ اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ مرد اور عورتیں برابر طریق سے جنتی زندگی کی نعماء سے سرفراز کی جائیں گی۔ اور جو نیک کام کرے، خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو۔ تو یہی جنت میں داخل ہونگے۔‘‘ (۴:۱۲۴)

’’اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہیں میں رہیں گے۔ اور ہمیشگی کے باغوں میں پاکیزہ رہنے کی جگہ۔ اور اللہ کی رضا سب سے بڑھ کر ہے۔ یہی بھاری کامیابی ہے۔‘‘ (۹:۷۲)

’’ہمیشگی کے باغ جن وہ داخل ہونگے اور وہ بھی جو ان کے ماں باپ سے اور ان کی بیویوں اور اولاد میں سے نیک ہوں۔‘‘ (۱۳:۲۳)

’’ اے میرے بندو... وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار ہیں۔ تم اور تمھارے ساتھی بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ.. اور اس میں ہے جو دل چاہے اور جس سے لذت پائیں اور تم اس میں رہو گے۔‘‘ (۴۳:۶۸۔۷۱)

’’ جس دن تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھے گا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔ آج تمہارے لیے خوشخبری ہے۔ باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ انہیں میں رہیں گے۔‘‘ (۵۷:۱۲)

پس مومنوں میں خواتین کو مردوں کی طرح برابر طور پر انعامات اور خوشیاں عطا کی جائینگی۔ جو اخروی زندگی میں نیک خصلتوں اور نیک کام کرنے کے بدلے میں ہونگی ثانیاً: یہ تمام انعامات اخروی زندگی میں ظاہر طور پر ان نیک فضلتوں اور نیک کاموں کے بدلے عطا کئے جائینگے جو کسی نے دنیاوی زندگی میں کئے ہونگے۔ مثال کے طور پر ’’نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں ہاتھ پر چمکے گا‘‘ (۵۷:۱۲)۔ یہ نور اس دنیا کے مادی چراغ سے نکلنے والی روشنی نہ ہوگی بلکہ ان کے ایمان کی روشنی ہوگی۔ جیسے قرآن مجید میں ایک جگہ آتا ہے:

’’اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے باغوں میں داخل کئے جائینگے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اپنے رب کے حکم سے انہیں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان میں ان کی دعائے ملاقات سلام ہوگی۔

’’کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے اچھی بات کی مثال کس طرح بیان کی ہے۔ جیسا ایک پاکیزہ درخت اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل ہر موسم میں دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت کی طرح ہے جو زمین کے اوپر سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اس کو کچھ بھی قرار نہیں۔‘‘ (۱۴:۲۳۔۲۵)

اخروی زندگی کے باغات کا ذکر کرنے کے بعد نیکی کی بات کی مثال ایک اچھے درخت سے دی گئی ہے جس میں ہمیشہ پھل لگتے ہیں۔ اس لیے اخروی زندگی کے باغات وہ نیک اعمال ہیں جو ایک انسان اس زندگی میں کرتا ہے اور وہ اخروی زندگی میں ایک درخت کی طرح ظاہر ہونگے جن کو پھل لگے گا جس طرح نیک اعمال کو پھل لگتے ہیں۔ اسی طرح اخروی زندگی کی ’’حسین کنواری عورتیں‘‘ وہ اس زندگی کی عورتیں نہ ہونگی جن سے مرد حضرات جنسی تعلقات رکھتے ہیں۔ درحقیقت یہ وہ نیک اعمال اور خصوصیات ہوں گی جو اس زندگی میں کی جاتی ہیں جیسے ایمانداری، کردار کی پاکیزگی، ذاتی وقار اور ایمان جن کا اظہار ان صورتوں میں کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں آیت ۳:۱۵ میں ’’نیک ساتھیوں‘‘ کو اس دنیا کی عورتوں سے فرق کیا گیا ہے جن کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کئے جاتے ہیں۔ آیت ۳:۱۴ میں بیان کیا گیا ہے:

’’ لوگوں کو نفسانی خواہشوں کی محبت بھلی معلوم ہوتی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور ڈھیروں ڈھیر سونا اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی۔ یہ اس دنیاوی زندگی کا سامان ہیں اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔‘‘

اس کے بعد والی آیت میں اس سلسلہ میں مزید وضاحت کی گئی ہے:

’’ کہہ، کیا میں تم کو اس سے اچھی بات بتاؤں، ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں رہنے والے ہیں اور ان کے لئے پاک ساتھی اور اللہ کی رضامندی ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے‘‘۔

عورتوں کے لیے ان آیات سے یہ بات نہایت واضح ہے کہ عورتوں کے لیے جنسی خواہشات اور ان کی ضرورت اس مادی زندگی کی باتیں ہیں اور ان سے بہتر اور زیادہ اعلیٰ اور نیک نتائج کے حامل وہ کوشش اور نیک اعمال ہیں جو اخروی زندگی میں پاک ساتھیوں کی شکل میں ہمیں عطا کی جائینگی۔ اس وضاحت سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ ہمیں اس دنیا کی خواہشات کی خواہش کرنی چاہیے چونکہ اسی قسم کے انعامات اخروی زندگی میں انعامات کے طور پر میسر آئیں گے۔ ویب سائٹ اور دوسرے ذرائع ابلاغ کے ذریعے رسول اکرم صلعم کی طرف یہ حدیث منسوب کی گئی ہے جس کا ذکر ترمذی میں ہے اور جس کو ٹھٹھا اور مزاح کے رنگ میں اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جس کے مطابق جنت میں ۷۲ بیویاں دی جائیں گی ۔ بیویوں کو ۷۲ کنواریاں کہہ کر ذکر کیا جا رہا ہے۔ لیکن ترمذی کی حدیث

میں ذرا ہی آگے چل کر ذیل کی حدیث درج ہے:

”ایمان کے ۷۰ یا اس سے زیادہ دروازے ہیں ان میں سب سے کم تر نیکی سڑک پر سے ایک پتھر کو ہٹانا ہے اور سب سے بڑی نیکی اس بات کے کہنے میں ہے کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں۔“ (ترمذی، باب الایمان)

ایمان کے ۷۰ یا ۸۰ دروازے ہیں۔ جن میں سے دو کا بیان خاص طور پر کیا گیا ہے، ایک اونچا اور ایک نیچا۔ اس کے علاوہ ایک دروازہ ایسا ہے جس کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے اور وہ حیا ہے۔ اور جو اس صفت کے مالک ہوئے ہیں اخروی زندگی میں ان کو خوبصورت کنواری لڑکیوں کے رنگ میں دکھایا جائے گا۔

اخروی زندگی میں کنواری لڑکیوں کی یہ تشریح بھی کی جاسکتی ہے اور اس کی بنا ذیل کی قرآن مجید کی آیت ہے جس میں ان انعامات کا ذکر ہے جو مومنوں کو وہاں دیئے جائیں گے: ”ہم نے انہیں ایک نئی پیدائش میں اٹھا کھڑا کیا ہے۔ پس انہیں نوجوان بنایا ہے، محبت والیاں، ہم عمر۔ برکت والوں کے لیے۔“ (۵۶:۳۵۔۳۷)

ان آیات میں ”انہیں“ کی ضمیر دو دفعہ مونث کے صیغہ میں آیا ہے۔ عام طور پر جو معنی کیے جاتے ہیں اس میں ان سے مراد مومن عورتیں لیا جاتا ہے۔ یہ کہ آخروی زندگی میں ان کو ایک نئی تخلیق میں اٹھایا جائے گا جو اس کے مطابق ہوگا جس قدر نیک کرداری کا نمونہ انہوں نے دنیاوی زندگی میں عملاً کر کے دکھایا ہوگا۔ یعنی جنہوں نے اپنی پاکیزگی کو محفوظ رکھا ہوگا۔ یہ معانی ان آیات کی اس تشریح کے عین مطابق ہے جو ترمذی کی اس حدیث میں ہے جو رسول اکرم صلعم نے بیان کی:

”ایک بوڑھی عورت رسول اکرم صلعم کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ میں جنت میں داخل ہوں۔ آپؐ نے مذاق سے فرمایا: آپ فلاں بن فلاں کی ماں۔ کوئی بوڑھی عورت جنت میں داخل نہ ہوگی۔ بوڑھی عورت روتے ہوئے چلی گئی۔ تو رسول اکرم صلعم نے فرمایا کہ اس کو کہدو کہ وہ جنت میں ایک بوڑھی عورت کی طرح داخل نہ ہوگی کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یقیناً ہم نے ان کو ایک نئی تخلیق میں پیدا کیا اس لیے ہم نے ان کو کنواریاں بنایا ہے“۔

(شمائل ترمذی، باب ۳۵، رسول اللہ کے مذاق، حدیث ۲۳۰)

اخروی زندگی میں ان کو بطور کنواری لڑکیاں اٹھایا جانا صرف روحانی تمثیل کے رنگ میں اس پاکیزگی کو بیان کرنا مقصود ہے جو انہوں نے دنیا میں زندگی کو پاکیزگی سے گذارا۔ دوسری زندگی میں جنسی تعلقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ وہ زندگی جسمانی زندگی نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا قرآنی آیت میں ”ہم عمر“ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ وہ نیک صفات میں مومن مردوں کی طرح ہوں گی۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کنواری کی اصطلاح بائبل میں بھی علامتی طور پر استعمال ہوئی ہے۔ بنی اسرائیل کو کئی جگہ ”یہ کنواری“ کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یسعیاہ باب ۳۱ آیت ۴ و آموس باب ۵ آیت ۲۔ اور متی کی انجیل میں عقلمند اور بے وقوف کنواریوں کی تمثیل استعمال کی گئی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو یوں بیان فرماتے ہیں:

”اس وقت آسمان کی بادشاہی ان دس کنواریوں کی مانند ہوگی جو اپنی مشعلیں لے کر دولہا کے استقبال کو نکلیں۔ ان میں پانچ بیوقوف اور پانچ عقلمند تھیں“ (باب ۲۵ آیت ۱)

مسلمانوں کا غصّہ

دنیا کے مختلف حصّوں میں مسلمان بھائیوں پر تشدد اور بے انصافی کے خلاف مسلمانوں کے غصّے کا موضوع میڈیا میں خبروں اور بحث مباحثہ میں نمایاں طور پر آرہا ہے۔ اس کی وجہ سے انتہا پسند جماعتیں اپنا غصّہ اور احساس محرومی کا اظہار بے دریغ معصوم جانوں کو مار کر کر رہے ہیں۔ اگر اس تشدد کی وجہ غصّے کا عملی اظہار ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اس بات پر غور کریں کہ جب ایک مسلمان کو سخت غصّہ اور ظلم وستم کا سامنا ہو تو قرآن مجید اور اسوہ رسول اکرم صلعم کی روشنی میں اس کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو اس بارے میں ذیل کی ہدایت کی تلقین کی ہے:

”اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ وہ متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جو آسودگی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور سخت غضب کو دبا لینے والے ہیں۔ اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے“ (۳:۱۳۳۔۱۳۴)۔ آیت ۱۳۴ میں الفاظ ”سخت غصّہ کو دبانے والے اور لوگوں کو درگذر کرنے والے“ میں اپنے غصّہ پر قابو پانا اور لوگوں کو معاف کرنا شامل ہیں۔ اور لوگوں سے مراد صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی ہیں۔ یہ وہ کردار ہے جو مسلمانوں کو دوسرے لوگوں کو دکھانا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ آیت ۱۳۳ میں ہدایت کی گئی ہے کہ ”اللہ کی مغفرت کی طرف جلدی کرو“۔ ان الفاظ میں مسلمانوں کو سخت تلقین کی گئی ہے کہ ہمیں نہ صرف دوسروں کے خلاف غصّے پر قابو پانا اور انہیں معاف کرنا ہے بلکہ ان سے نیکی کا سلوک بھی کرنا ہے۔ کیا ہم نے اپنی زندگی کا رویہ یہ نہیں بنایا کہ ہم اللہ کو ناراض کریں اور کیا اس طریق سے ہم اللہ کے غصّے کو دعوت نہیں دے رہے؟ اگر ہمارا ارادہ اور خواہش اس رویہ کو اپنانا نہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم ان لوگوں کے خلاف غصّے کا اظہار یا غصّہ کا سلوک نہ کریں۔ جنہوں نے ہمیں تکلیف پہنچائی ہے۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆

یادگار یادیں اور تاثرات

حضرت مولانا محمد یعقوب خان صاحب

روشن خیال مبلغ اسلام، مفکر اسلام، بے باک صحافی، مؤثر مقرر اور صبر و تحمل کا مثالی کردار

از کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالسلام خان، امریکہ

حضرت مولانا محمد یعقوب خان صاحب نے قریباً 50 سال مضمون نگاری کی۔ آپ ہفتہ وار ''لائٹ'' کے علاوہ ''مسلم ری وایول'' (سہ ماہی رسالہ جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سن تیس کے عشرہ میں شائع کرتی رہی) ''اسلامک ریویو'' لندن کے آپ ایڈیٹر رہے۔ اور لاہور کے مؤقر انگریزی روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ جس کے بانی ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹز تھے اور جس کو چار چاند لگانے والے برطانیہ کے مشہور مصنف اور صحافی روڈیارڈ کپلن تھے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ہفتہ اُردو ترجمان ''پیغام صلح'' میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ گاہے بہ گاہے دیگر اخباروں مثلاً ''نوائے وقت'' میں بھی آپ کی قلمی کاوشیں شائع ہوئیں۔ روزنامہ ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' لاہور کے جائنٹ ایڈیٹر (50-1948) اور 1950ء کے بعد ایڈیٹر رہے اور اس دوران اسلامی تاریخ کے ممتاز کرداروں پر مشتمل انگریزی میں آپ کی دو کتابیں Daughter of Samyrna اور The Golden Deeds of Islam کافی مقبول رہیں۔ اسی دوران آپ پاکستان نیوز پیپرز اینڈ ایڈیٹرز کانفرنس کے صدر بھی رہے۔ آپ نے شیخ محمد اشرف ناشر کتب، لاہور کی فرمائش پر قائداعظم کی سوانح عمری بھی ایک کتابچہ کی شکل میں لکھی۔ شاہجہان مسجد، ووکنگ کی امامت کے دوران آپ نے حضرت مولانا محمد علی کیا اُردو کتب ''سیرت خیر البشر'' اور ''خلافت راشدہ'' کے انگریزی تراجم جو Muhammad the Prophte اور TheEarly Caliphate سے شائع ہوئیں وہ بھی آپ کے انگریزی زبان پر مکمل عبور ہونے کے منہ بولتے ثبوت ہیں۔ اسی طرح خواجہ کمال الدین صاحب کی کتاب ''رازِ حیات'' کا انگریزی میں ترجمہ جو Secret of Existence کے نام سے شائع ہوئی۔

سن تیس کی دہائی میں آپ نے جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب سے مل کر ''سپین فنڈ'' کا آغاز کیا اور تمام احباب جماعت اور قارئین ''لائٹ'' نے بلاتفریق اس میں دل کھول کر حصہ لیا۔ مگر سپین میں خانہ جنگی کے باعث منصوبہ ملتوی کرنا پڑا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی، مجدّد وقت اور بانی سلسلہ احمدیہ کے بارے میں انگریزی میں A Quest for God کے نام سے کتابچہ لکھا جس میں حضرت مجدّد وقت کے لئے علم کلام اور روحانی بصیرت کی نمایاں خصوصیات کو اُجاگر کیا۔

انگریزی مقولہ ہے:

The Dead make the longest demands یعنی فوت شدہ بزرگوں کے احسان کا قرض ادا کرنا بڑا صبر آزما کام ہے۔ مگر بہر کیف یہ ایک ایسا فرض اور ایسا قرض ہے جو ادا کرنا ہے اور اب جبکہ میں بھی زندگی کی ستر بہاریں دیکھنے کے بعد اس شعر کا مصداق ہو گیا ہوں۔

> رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے
> نہ باگ ہاتھ میں ہے نہ پا ہے رکاب میں

اپنے ناتواں ہاتھوں سے قلم اٹھایا ہے اور اپنے والد محترم کے انمٹ نقوش کو صفحۂ قرطاس کے حوالے کر دوں پھر نہ جانے یہ موقع نصیب ہو یا نہ ہو۔ سوچا کہ آنے والی نسلوں کو اس تاریخی موڑ کا کچھ فلیش بیک دکھا دوں تا کہ ان کو ان نازک مرحلوں کا کچھ اندازہ ہو سکے جو مسلمانوں نے آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کی اور پاکستان حاصل کیا۔

> ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
> لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

اور بقول علامہ اقبال انہیں احساس دلا دوں کہ

> کبھی اے نوجواں مسلم تصور بھی کیا تو نے
> وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

کاتب تقدیر کے وارے نیارے جائیے کہ اس وطن عزیز کی آبیاری کے لئے انیسویں صدی میں ہی آسمان سے سعید روحوں کا نزول شروع ہو گیا تھا۔ ایک چمکدار ستاروں کا جھرمٹ گویا آسمان سے اتر آیا تھا۔ کس کس کا نام لیجئے۔ سرسید و شبلی، حالی و اکبر الہٰ آبادی، جناح و اقبال، مولانا محمد علی اور شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، عبیداللہ سندھی اور جمال الدین افغانی۔ ایک بہت لمبی فہرست ہے اور انہی سعید روحوں میں جناب ڈاکٹر فرید بخش (جنہیں بجا طور پر پنجاب کا سرسید کہا جاتا ہے کیونکہ انھوں نے ایک نہایت پسماندہ علاقہ میں علم کی روشنی پھیلائی) بھی ہے۔ ذرا قدرت کی کارروائی اور روح محمدی کی جلوہ آفرینی دیکھئے کہ کجا فرنٹیئر کا ایک پٹھان اور کجا لدھیانے کا ایک آرائیں مگر بمثل آیت قرآنی فاصبحتم بنمتبه اخوانا (3:102) (تو پھر تم اس

نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے)۔ یہ دونوں وجود گلشن کے نونہالوں کی آبیاری کے لیے ایسے اکٹھے ہوئے کہ تادم مرگ، قریب ساٹھ سال کے لمبے عرصے پر محیط، یہ دوستی قائم رہی۔

سبحان اللہ سبحان اللہ! کیا بابرکت وجود تھے۔ کس طرح پردہ ہستی پر چمکے۔ کس طرح اپنی زندگیاں ملک وقوم پر نچھاور کر دیں اور کس طرح مرد مومن کی طرح مسکراتے ہوئے خاک تلے چلے گئے بقول اقبال:

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

خامہ انگشت بدنداں ہے کہ والد صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب خان جیسے صبر و وفا کے پیکر اور محبت و شفقت کے بحر بیکراں کو جس کی نوازشوں اور عنایات کا سلسلہ قریب نصف صدی پر محیط رہا۔ کس طرح ایک وسیع خاکہ کو کوزہ میں بند کروں۔ بزبان اقبال:

دختر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

جب سے ہوش سنبھالا، 1928ء سمجھئے تا 1971ء، جب میں قبلہ والد صاحب کا آخری دیدار کر کے اپنے سمندری سفر برائے امریکہ و کینیڈا روانہ ہوا۔ والد صاحب کے نورانی چہرہ کو چراغ راہ پایا۔ کہتے ہیں ولی وہ ہوتا ہے جسے اہل خانہ ولی سمجھیں۔ اس اعتبار سے یقیناً حضرت مولانا ایک ولی اللہ تھے۔ ترک وطن کر کے فرنٹیئر سے لاہور آ کر سکونت اختیار کر لی تھی (شاید 1910ء میں) اور پھر تمام عمر پنجاب میں رہ کر قوم کی خدمت کی ''غربت میں آ کے چمکا گمنام تھا وطن میں''۔ مرحوم کی وفات حسرت آیات کی خبر مانٹریال، کینیڈا میں دسمبر 1972ء میں بذریعہ تار پہنچی اور کچھ دیر تک تو میں ساکت و جامد پچھلی نصف صدی کے واقعات کو ذہن میں لاتا رہا اور قرآن کریم کی یہ آیت زبان پر تھی: کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ (55:20)

محبت و شفقت کے اس دریا کی یہ خوبی تھی کہ ہر کس و ناکس سے حسن سلوک پیہم جاری رکھتا تھا۔ میرے ہوش سنبھالتے ہی والدہ صاحبہ فالج کی وجہ سے معذور ہو گئی تھیں اور مجھے اپنی ہوش میں یاد نہیں کہ میں نے انہیں چلتے پھرتے دیکھا ہو۔ اس دوران میں گویا 45 سال تک والد صاحب نے اپنی زندگی ہم چھ بھائی بہنوں کے لئے وقف کئے رکھی اور والد اور والدہ دونوں کا کردار ادا کیا۔ طبیعت میں بے حد شگفتگی تھی اور ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ صبر و تسلیم و رضا کا یہ حال تھا کہ پے در پے خانگی صدمات بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کئے۔ قبلہ ماموں جان جناب نصیر احمد صاحب فاروقی سابق الیکشن کمشنر حکومت پاکستان کہا کرتے تھے کہ ہم نے صبر ایوبی تو سنا تھا مگر صبر یعقوبی بچشم خود دیکھ لیا۔ کیسی ہی غم و یاس کی گھٹا کیوں نہ چھائی ہو۔ حالات کیسے ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہوں یہ صبر و تحمل اور وقار کا پیکر اپنے ہر حاضر محفل کا دِل بڑھاتا اور گرماتا تھا۔ ہر لحظہ ایک ایسا سرور جو یقین و ایمان اور پاکیزگی اور سچائی سے پیدا ہوتا ہے، آپ پر طاری رہتا تھا اور پاس بیٹھنے والے آپ کے وجود سے طمانیت و سکینت کی لہریں نکلتی محسوس کرتے تھے۔

وہ ہنستا مسکراتا جگمگاتا
بھول جاؤں جسے وہ رخ ایسا تو نہ تھا

خودی کا یہ عالم تھا کہ بزرگوارم ڈاکٹر فرید بخش صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ
''خودی کا مطلب تو ہم نے خان صاحب سے سیکھا!''

اولاد کے ساتھ اتنی گہری کمٹمنٹ تھی کہ جب وہ لمحہ 1946ء میں خاکسار کی آل انڈیا مقابلہ میں نیوی میں داخلہ کے امتحان میں کامیابی کی تار سیکرٹری آف سٹیٹ برائے انڈیا سے والد صاحب کو پہنچی اور ساتھ ہی ایک خطیر رقم کا مطالبہ کہ فلاں تاریخ تک یہ رقم برائے ادائیگی اخراجات بینک میں جمع کرا دو تو بلا توقف اپنی زندگی کا تمام اندوختہ نکلوا کر بینک میں جمع کروا دیا۔ لوگ حیران تھے کہ خان صاحب ریٹائرمنٹ کے بعد کیسے گزارا کریں گے کیونکہ پنشن کی سہولت حاصل نہ تھی مگر توکل علی اللہ کا ایسا اعلیٰ نمونہ قائم کیا کہ حالات کا فلیش بیک دیکھتا رہا۔ جہاز کے عرشہ پر کھڑا چار چارفٹ برف کے اندر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے تار کو بار بار پڑھتا تھا اور یہ شعر زبان پر آیا:

ستارہ بدرخشید و ماہ مجلس شد
دل رمیدہ ما را انیس و مونس شد

(ایک ستارہ چمکا اور مجلس کا چاند بن گیا اور ہمارے وحشی دِل کے لئے انیس و مونس ہو گیا!) موت کے عقدہ لاینحل اور کڑوے پیالے کا خیال آیا تو عمر خیام کا یہ قطعہ یاد آ گیا:

از جرم گل سیاہ تا اوج زحل
کردم ہمہ مشکلات گردوں راحل
بگشادم بند ھائی مشکل بہ حیل
ہر بند کشادہ شد، بجز بند اجل

جس کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ کچھ یوں ہوتا ہے:

پاتال کی کالی مٹی سے تا اوج زحل
ہر مسئلہ گردوں کو کیا میں نے حل
ہر عقدہ مشکل کو کیا میں نے صاف
ہر بند کھل گیا، بجز بند اجل

From Earth's dark clay to Saturn's heavenly round
To every tricky question a solution I've found:
An answer to every problem with strategem I sought.
Unravelling many a plot.... except death's tricky knot!

پیر پیائی میر عالم خان بابڑ اور ان کی اہلیہ کے گاؤں میں پتھروں اور گارہ سے بنے ہوئے مکان کے کمرہ میں پیدا ہونے والا یہ نونہال ستارہ مسلسل ساٹھ سال کے ہاں تک سب ملنے والوں کے لئے انیس و مونس ثابت ہوا۔ ہر زخمی دل پر اپنی محبت وشفقت، توجہ و خدمت کا پھاہا رکھا اور ہر افسردہ روح کو اپنی روح پرور

کلمات سے گرماتا رہا۔

انہیں خدا تعالیٰ نے نہ صرف ایک محبت بھرا دِل عطا کیا بلکہ ایک ایسا قلم بھی جو مسلسل ساٹھ سال قوم و ملک کی خدمت میں چلتا رہا۔ آخری دنوں میں جب ہاتھوں میں سکت نہ رہی تھی تب بھی ٹیڑھی میڑھی ٹوٹی ہوئی سطروں کے ذریعہ یہ جہاد جاری رکھا۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
گو اس میں دونوں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

خوب ہوگا کہ والد صاحب کے ذکر خیر کے ساتھ ساتھ کچھ تذکرہ والدہ صاحبہ زبیدہ بیگم دختر نیک اختر محترم ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا ذکر بھی کر دوں جو 1918ء میں والد صاحب کے نکاح میں آئیں۔

اس وقت سے جب سے میں نے لڑکھڑاتے ہوئے چلنا شروع کیا اور گردوپیش کی دنیا کو حیرت کی نظر سے دیکھا تا ان کے دم مرگ (1975ء) چوٹی کے لاہور کے ڈاکٹروں نے انہیں چھ ماہ زندگی کی مہلت دی تھی مگر وہ چھیالیس سال زندہ رہیں اور ان سب ڈاکٹروں سے لمبی زندگی پائی۔

وہ اس عظیم قلمکار اور صحافی، ماہر تعلیم اور مبلغ اسلام کے زوجہ تھیں جو کہ ''لائٹ'' کے ایڈیٹر رہے، پھر سول اینڈ ملٹری گزٹ کے پہلے نان برٹش ایڈیٹر رہے۔ مشہور عالم شاہجہان مسجد، ووکنگ کے امام رہے اور اسلامک ریویو، لندن کے ایڈیٹر بھی رہے۔ 'مقام حیرت ہے کہ انگلستان میں اسلام کی نمائندگی ایک پیر پیائی کے باشندے کے حصہ میں آئی ہے! سر آلف کیرو سابق گورنر سرحد اپنا سر حیرت سے ہلا کر کہا کرتے تھے! وہ قائداعظم کے ساتھیوں میں سے تھے اور جن کا قلم کبھی بک نہ سکا۔ ہر عظیم انسان کے پیچھے ایک عظیم عورت ہوتی ہے اور یہ دونوں قابل قدر وجود، جو کہ اپنی بیک گراؤنڈ اور کلچر کے لحاظ سے بعد المشرقین تھے باہم مل کر ایک ٹیم بن گئے اور جن کے ہاتھوں نے بہت سی نسلوں کو پالا اور آدمی سے انسان بنایا۔ ان کی ازدواجی زندگی ترپن سال لمبے عرصے پر محیط تھی۔

اس لمبے سفر میں بڑے کٹھن اور دشوار گزار مقام بھی آئے، اموات، بیماریاں، مصیبتیں، مگر ان دونوں نے ہم سب بہن بھائیوں کو سنبھالے رکھا اور زندگی کے دریا میں تیرتا رکھا۔ اگر ہم بھائیوں میں آج کوئی تھوڑی سے اچھائی ہے تو یہ سب ان کی محبت کا اثر ہے۔

جمال ہم نشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

میں نے والد صاحبہ کو کبھی زیور پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کی سونے کی چوڑیاں 1922ء میں برلن مسجد، جرمنی کے میناروں کی تعمیر میں لگ گئیں اور پھر دوبارہ نہ بن سکیں۔ وہ ہمیشہ موٹا موتی کا کپڑا پہنتی تھیں اور اس لحاظ سے وہ سرحدی گاندھی اور مسعود کھدر پوش کی پیشرو قرار پاتی ہیں۔ چہار دانگ عالم سے نفیس کپڑے ان کے لئے آتے تھے وہ جلد ہی ضرورت مند عورتوں میں تقسیم کر دیتیں۔ ایک دفعہ میں نے اپنی ماہوار تنخواہ کا بیشتر حصہ ان کے لئے میسور سے ہاتھ کا بنا ہوا اسلک کا سوٹ لانے پر خرچ کر دیا مگر میں نے انہیں کبھی یہ سوٹ پہنے ہوئے نہ دیکھا۔ یہ بھی اسی راہ گیا جس میں کہ ہمارے پہلے تحائف گئے۔ فی سبیل اللہ!

اپنی زندگی میں انہوں نے فقط ایک رول کا انتخاب کیا یعنی ایک اچھی ماں کا! ہم سب یعنی بچوں، پوتوں، نواسوں، گاؤں کی عورتوں کے لئے وہ ''اماں جی'' تھیں۔ کوئی بھی مصیبت ہو، کوئی بھی ضرورت ہو، اماں جی ہمیشہ موجود ہوتی تھیں جن کی طرف ہم فریاد لے کر جا سکتے تھے۔ جن کے کندھے پر ہم رکھ کر رو سکتے تھے اور جن کے پیار کی گھنی چھاؤں میں ہم دماغی سکون پاتے۔

جتنی مساوات اور جمہوریت کی روح والدہ صاحبہ میں میں نے دیکھی وہ دنیا کے کسی کونے میں کسی فرد میں کم ہی نظر آتی ہے۔ دنیاوی رتبوں اور وجاہت کی ان کی نظروں میں کوئی اہمیت نہ تھی۔ ان کا چھوٹا بھائی ترقی کے منازل طے کر کے پاکستان کے اعلیٰ ترین سول سروس کے عہدے تک پہنچ گیا مگر ان کی نظروں میں وہ بچہ ہی رہا جو بچپن میں تھا اور اس سے ہمیشہ زیادہ بے تکلف ''تم'' کے لفظ سے خطاب کرتیں۔

وہ باطنی طور پر ایک صوفی خاتون تھیں اور اس معاملہ میں والد صاحب سے مشابہت رکھتی تھیں۔ آیا یہ ان کا صوفی پن تھا جو کہ والدہ پر اثر کر گیا تھا۔ یا اس سے برعکس معاملہ تھا یہ مجھے کبھی بھی معلوم نہ ہوسکا۔ مجھ اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ رات پچھلے پہر اٹھ کر اپنے خدا سے گہرے راز و نیاز کرتی تھیں۔ ان کی اکثر دعائیں اجابت کے درجہ کو پہنچ جاتی تھیں اور کئی دفعہ آنے والے واقعات کی خبر انہیں رویا کے ذریعہ مل جاتی تھی۔

جب ان کے جیون ساتھی نے 1972ء میں انہیں داغ مفارقت دیا تو انہوں نے اپنی توجہ کو اس دنیا سے بالکل ہٹا لیا گویا کہ وہ اپنے ابدی سفر کی تیاری میں لگ گئیں۔ انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اکثر خیالات میں کھوئی کھوئی نظر آتی تھیں۔ اپریل 1975ء کی ایک سہانی رات کو چھیالیس سالہ بیماری کی ابتلا جھیلنے کے بعد وہ نہایت آرام سے نیند میں ہی اپنے سفر آخرت پر روانہ ہو گئیں۔ مجھے تہران آفس کے ذریعہ ان کی وفات کا وائرلیس پیغام اس وقت ملا جبکہ میں ایک ایرانی جہاز ''ایران'' کو براستہ کیپ آف گڈ ہوپ (راس امید) لے کر امریکہ جا رہا تھا۔

چھ مختلف قومیتوں کے افسر اور عملہ ان کی ترحیم کے لئے قرآن خوانی میں شامل تھا جو جہاز کے میس روم میں منعقد ہوئی جبکہ جہاز بحر اوقیانوس کے وسط میں عازم سفر تھا۔ سبحان اللہ! کیا خدائی تصرف تھا کہ جس ہستی کو چھیالیس سال چارپائی پر لٹائے رکھا اس کی روح کے ایصال ثواب کے لئے چھ مسلمان ممالک کے لوگوں کو اکٹھا کر دیا۔ وہ دل جو بحر اوقیانوس کی طرح وسیع، گہرا اور ٹھہراؤ رکھتا تھا، اسے خراج عقیدت بھی بحر اوقیانوس کے سینہ پر دیا گیا۔ سبحان اللہ!

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس در کی نگہبانی کرے

باقی آئندہ

وحی اور انسان کا ابدی رشتہ

غلام نبی مُسلم۔ایم۔اے

خدا سے ہمکلامی کا شرف

اللہ تعالیٰ نے انسانی استعدادوں کی کامل نشوونما کے لیے اپنی ہدایت نازل کی اور اس مقصد کے لیے انبیاء سے ہم کلام ہوا۔ان کی وساطت سے نوع انسان کی انفرادی اور اجتماعی فلاح واصلاح کے لیے تعلیمات کی بارش کی، جس کا مقصود ایک طرف تو نسل انسانی کو فساد وانتشار سے بچانے کے لیے منضبط زندگی کا پابند کرنا تھا تو دوسری طرف ہم کلامی سے انبیاء کے دلوں کو تسکین واطمینان بخشنا تھا۔خدا سے ہم کلامی ہی خدا کے وجود پر کامل ایمان کا سرچشمہ ہے۔حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کامل تعلیم دی جس کی کامل اتباع سے انسان خدا کے اس قدر قریب ہوجاتا ہے کہ خدا اپنے کلام سے اسے تشفی واطمینان بخشتا ہے۔امت محمدیہ میں ایسے کامل انسان ہر دور میں موجود رہے ہیں جو اپنے وجود سے خدا کی ہستی پر زندہ ثبوت مہیا کرتے رہے ہیں۔قرآنِ پاک کی رو سے ایسے انسان اسلام سے پہلے بھی ہوئے اور بعد میں بھی۔اور زیرنظر مضمون میں ہم اسی حقیقت پر روشنی ڈال رہے ہیں۔اس تحریر میں ہم نے محض قرآن پاک کی شہادت پیش کی ہے اور متوقع ہیں کہ قارئین کرام ٹھنڈے دل سے ان سطور پر غور فرمائیں گے اور دنیا پر واضح کریں گے کہ امت محمدیہ میں شرف ہم کلامی کا ہونا انبیاء علیھم السلام اور کتب سماوی کی صداقت اور خدا کے وجود پر ابدی اور بین دلیل ہے، جس میں اسلام منفرد ہے۔**فالحمد للہ رب العالمین۔**

اشیاء کی تخلیق، ان کی نشوونما اور فطری تقاضوں کی تکمیل میں قدرت جس امر سے دخیل اور کارفرما ہے اسے وحی، الہام اور کلام کا نام دیا گیا ہے۔یہ وحی آنکھ کے نور کی مانند ہے، جو آفتاب الوہیت اور انسان کے درمیان تعلق کا ذریعہ ہے جو فرد اور خالق کے درمیان اہم واسطہ ہے۔یہ مشین میں برقی رو کی مانند ہے۔یہ روحِ انسانی میں نور بصیرت کے مترادف ہے۔اشیائے سماوی کی حرکت ہی اس کی بدولت ہے۔ **واوحی فی کل سماء امرھا** (حٰم ۱۳:۴۱)۔ زمین بھی **بان ربک اوحی لھا** (۵:۹۹) کے لحاظ سے مورد وحی ہے اور یہ شہد کی مکھی جو ہر پھول سے رس چوس کر شہد جمع کرتی ہے۔(**ان اوحی ربک الی النحل**۔۶۸:۱۶) اس کا مظہر ہے اور وحی کے رشتہ سے خدا سے وابستہ ہے۔اور کوا کسی کے اشارے سے ہی قابیل کا رہنما بنا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: **فبعث اللہ غراباً یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوءۃ اخیہ** (مائدہ ۵:۳۱)۔اللہ تعالیٰ نے ایک کوا مبعوث کیا جو زمین کو کریدتا تھا کہ اسے دکھائے کہ بھائی کی لاش کس طرح دفن کرے۔ادھر ملائکہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہیں یا تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں تو اسی وحی کے فیضان سے۔اور اگر اس بجلی کی رو اپنے مرکز سے نکل کر کائنات کے ذرے ذرے میں اثر انداز نہ ہوتو پھر "یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں"۔

خالق اور مخلوق کے درمیان وحی کا رشتہ سب سے زیادہ خدا اور انسان کے تعلق میں نمایاں ہے۔انسان کا وجود صفاتِ الٰہی کا پرتو ہے۔اس میں روحِ خداوندی کی جھلک موجود ہے، جس پر **نفخت فیہ من روحی** (۲۹:۱۵) کی آسمانی شہادت پائی جاتی ہے۔یہ روح اپنے مرکز کی طرف لوٹنے کے لیے بے چین رہتی ہے اور **انا للہ وانا الیہ راجعون** (۱۵۶:۲) کا اقرار کرتی ہے۔اور اس کو اگر چین وقرار نصیب ہوتا ہے تو کلام الٰہی سے: **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** (۲۸:۱۳) جس کی بہترین صورت قرآن ہے۔اس کی روح کو ذات خداوندی سے ملانے کے لیے اس کی آتش شوق کو تیز کرنے کے لیے اور اس ارتقائی جدوجہد میں سہارا دینے کے لیے خدائی ہدایت اور کلام لابد ہے۔انسان میں معرفت، شناخت اور وصالِ الٰہی کی استعداد رکھ کر فرمایا: **فالھمھا فجورھا و تقوٰھا ۔ قد افلح من زکھا وقد خاب من دسٰھا** (۸:۹۱۔۱۰)۔جو کوئی وحی الٰہی کے پانی سے اس استعداد کی آبیاری کرے گا وہ مراد پالے گا۔انسان کو روز ازل سے الست سے ہی شرف ہم کلامی سے نوازا گیا۔جب کہ ذات کریمی نے انسان سے پوچھا: **الست بربکم** (۱۷۲:۷) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو انسان نے عرض کیا بلٰی مولا کریم! تو ہی میرا رب ہے۔پھر انسان سے ہمکلامی کی راہ کھل گئی تو رحمت الٰہی جوش میں آئی اور نسل انسانی کو اعلانیہ بتادیا: **(یا بنی اٰدم) اما یا تینکم منی ھدیً فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** (۲:۳۸)۔(اے انسانو!) تمہارے پاس میری ہدایت آتی رہے گی۔پس جو کوئی میری ہدایت پر کاربند ہوگا وہ خوف اور غم سے آزاد رہے گا۔اس کی ابتداء آدم سے ہوئی۔ **فتلقٰی اٰدم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ** (۲:۳۷)۔پھر آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں۔جن پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا پر رحمت نازل کی۔"

اب ظاہر ہے کہ **خلیفة اللّٰہ فی الارض** حضرت آدمؑ سے اللہ کا رابطہ وحی اور ہم کلامی سے ہوا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ یہ ہم کلامی کا سلسلہ آئندہ نسلوں میں جاری رہے گا۔ اس کے بعد نسل انسانی میں لاکھوں ایسے انسان پیدا ہوئے جن سے خدا ہم کلام ہوا۔ اور ان کے ذریعے گمراہ لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنا کلام نازل فرمایا۔ جس سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ جو خدا سے ہم کلامی کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتا... ایسے ہی لوگ دوسروں کی خدا تک رہنمائی کرسکتے ہیں۔ یہی ان کی آمد کی غرض و غایت ہوتی ہے۔ اور یہی اس امر کی دلیل ہے کہ دوسرے انسان بھی خدا سے شرف ہم کلامی حاصل کرسکتے ہیں۔ اور اگر خدا کے فرستادوں کی ہدایت سے انسان کسی نہ کسی صورت میں خدا سے تعلق قائم نہیں کرسکتا جس کی اعلیٰ ترین صورت ہم کلامی ہے تو پھر ان کے آنے کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اور انسان یقین کامل سے محروم ہوجاتا ہے۔ خدا کے فرستادہ یعنی نبی بھی بشر ہوتے ہیں۔ اگر وہ خدا سے ہم کلام ہوسکتے ہیں تو بشر ہونے کی وجہ سے غیر انبیاء بھی ہم کلام ہوسکتے ہیں اور قرآن حکیم میں اس کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہمکلامی کے طریق

عام انسان سے خدا کے ہم کلام ہونے کا ذکر کرنے سے قبل یہ بتانا بے جا نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بشر سے کس کس طریق سے ہم کلام ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ماکان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن ورائی حجاب او یر سل رسولاً فیوحی باذنہٖ ما یشاء** (۴۲: ۵۱)۔ کسی بشر کے لیے یہ میسر نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا رسول بھیجے۔ پس اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔"

اس آیت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ صرف نبی یا رسول سے کس طرح ہم کلام ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بشر سے (جس میں نبی اور غیر نبی سبھی شامل ہیں) کسی طرح کلام کرتا ہے یا اپنا منشا اس پر ظاہر فرماتا ہے۔ یہ تین طریق سے ہے: (۱)۔ وحی (القاء فی الروع) یا دل میں کوئی بات ڈالنا۔ (۲) کسی کو دیکھے بغیر کلام کا سننا یا کسی بات پر اطلاع پانا۔ (۳) رسول کے ذریعہ سے جسے دیکھا جاتا ہے اور جس کی بات سنی جاتی ہے۔ الفاظ کی صورت میں معین کلام کا سننا۔ جیسے کہ جبرائیلؑ اللہ کا کلام لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے تھے۔ ان میں تیسری قسم ارفع صورت میں انبیاء سے مخصوص ہے۔ جس کی ضرورت قرآن پاک کی تکمیل کے بعد ختم ہوچکی ہے۔ اس لیے نبوت کا اجراء بھی ختم ہوچکا ہے کیونکہ قرآن حکیم کے تاقیامت باقی رہنے کی وجہ سے حضرت نبی کریمؐ کی نبوت کا دور ہی تا قیامت جاری رہے گا۔ اور باقی اقسام وحی میں انبیاء اور غیر انبیاء ہر دو گروہ شریک ہیں۔ ان میں سچے خواب (رویائے صالحہ)۔ غیب سے کوئی آواز سنائی دینا یا حالت بیداری میں غنودگی طاری ہوکر کوئی نظارہ دیکھنا جسے صوفیاء کشف کا نام دیتے ہیں، شامل ہیں۔ مسلمان اہل علم کے ایک جدید گروہ کا یہ خیال ہے کہ ماضی میں وحی انبیاء ہی سے مخصوص تھی۔ غیر نبی اس میں شریک نہ تھے، اور جن انبیاء کی طرف وحی نازل ہوئی وہ وحی متلو تھی، جو الفاظ کی صورت میں آتی تھی اس کی تلاوت کی جاتی اور احکام شریعت پر مشتمل ہوتی تھی۔ دوسری وحی جسے علماء اسلام وحی غیر متلو کہتے ہیں، اس کا کوئی وجود نہیں اور قرآن حکیم میں غیر انبیاء کی طرف جس وحی کا ذکر ہے وہ انہیں اپنے دور کے کسی نہ کسی نبی کے وسیلے سے کی گئی۔

وحی الٰہی کے متعلق یہ جدید نظریہ اس آیت کے صریح مخالف ہے جو اقسام وحی کے سلسلے میں اوپر درج کی گئی ہے۔ پھر قرآن حکیم کی بے شمار تصریحات اس جدید مفروضے کی تردید کرتی ہیں۔ بے جان اشیاء اور شہد کی مکھی کی طرف وحی کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ ذیل کی آیات سے واضح ہے کہ نہ صرف غیر نبی مرد بلکہ مستورات بھی اس نعمت سے بہرہ ور ہوتی ہیں۔

آدم اور حوا

ونادا هما ربهما الم انهكما عن تلكما الشجرة (۷: ۲۲) اور ان دونوں کو ان کے رب نے پکار کر کہا کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہ تھا؟

حضرت موسیٰؑ کی والدہ

واوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم لا تخافی لا تحزنی، انا رادوہ الیک وجعلوہ من المرسلین. (۲۸:۷)

"ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کی طرف وحی بھیجی کہ اسے دودھ پلا اور جب تجھے اس کی جان کا خطرہ محسوس ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور خوف نہ کھانا اور نہ غمگین ہونا۔ ہم اسے تمہاری طرف لوٹا دیں گے اور اسے رسولوں میں بنا دینگے۔"

اذ اوحینا الی امک مایوحیٰ ان اقذفیه فی التابوت فاقذ فیه فی الیم فلیلقه الیم بالساحل یا خذہ عدولی وعدوله. (۲۰: ۳۹)

"(اے موسیٰؑ) جب ہم نے تیری والدہ کی طرف وحی کی کہ اسے دریا میں ڈال دو۔ دریا اسے ساحل پر ڈال دے گا، اسے میرا اور اس کا دشمن تحویل میں لے لے گا۔"

حضرت مریم

واذ قالت الملائکة یا مریم ان الله اصطفک وطهرک واصطفاک علی نساء العالمین. یا مریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین (۳: ۴۲، ۴۳) "جب فرشتوں نے کہا اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن لیا ہے اور پاک کیا ہے، اور اپنے وقت کی تمام

عورتوں پر فضیلت بخشی ہے۔اے مریم اپنے رب کی اطاعت کر اور اسے سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔“

اذقالت الملائکة یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمة منه اسمه المسیح عیسیٰ ابن مریم وجیها فی الدنیا والاخرة ومن المقربین ۔ ویکلم الناس فی المهد وکهلا ومن الصالحین ۔قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر ۔قال کذالک اللہ یخلق ما یشاء، اذا قضیٰ امراً فانما یقول له کن فیکون ۔ ویعلمه اللہ الکتب والحکمة والتورٰة والانجیل. ورسولاً الی بنی اسرائیل (۳: ۴۴،۴۷) جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تم کو ایک پیشگوئی کے مطابق بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ وہ دنیا و آخرت میں وجیہہ اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ وہ لوگوں سے ابتدائی اور بڑی عمر میں ہم کلام ہوگا (لمبی عمر پائیگا) اور صالح بندوں میں سے ہوگا۔ مریم نے کہا۔اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہوگا اور مجھ کو کسی مرد نے نہیں چھوا۔اس نے کہا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے تو صرف کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، سو وہ ہوجاتا ہے۔اور اسے کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل سکھائے گا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔“

فاجاء ها المخاض الیٰ جذع النخلة، قالت یٰلیتنی مت قبل هٰذا وکنت نسیا منسیا ۔ فنادٰ ها من تحتها الا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریا ۔ و هزی الیک بجزع النخلة تساقط علیک رطبا جنیا ۔ فکلی واشربی وقری عینا، فاما ترین من البشر احدا، فقولی انی نذرت للرحمٰن صوماً فلن اکلم الیوم انسیا (۱۹ :۲۳ .۲۶) ۔پس مریم کو درد زہ ایک کھجور کے درخت کی طرف لے گئی۔اس نے کہا کاش۔ میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوچکی ہوتی۔ پس اسے اپنے نیچے کی طرف سے آواز سنائی دی، غم نہ کھا۔تحقیق تیرے رب نے تیرے نیچے کی طرف ایک چشمہ بہا رکھا ہے۔اور کھجور کے تنے کو ہلا یہ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔ پس تو کھا اور پی اور آنکھوں کو ٹھنڈا کر۔ پس اگر تو کسی بشر کو دیکھے تو کہنا کہ میں نے خدا کے لیے روزے کی نذر مانی ہوئی ہے پس میں آج کسی انسان سے ہرگز بات نہ کروں گی۔

حضرت ابراہیمؑ کی اہل بیت سارہ

وامراته قائمة فضحکت فبشرنٰها باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب ۔قالت یا ویلتی ء الد وانا عجوز و هذا بعلی شیخاً، ان هذا لشیء عجیب ۔ قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ وبرکاته علیکم اهل البیت، انه حمید مجید (۱۱ :۷۱. ۷۳) اور ابراہیمؑ کی اہلیہ پاس کھڑی تھی، پس وہ حیران ہوئی۔ پس ہم نے اسے اسحاقؑ اور اس کے بیٹے یعقوبؑ کی بشارت دی۔ اس نے کہا اف خدایا! کیا میں بچہ جنوں گی جب کہ میں کھوسٹ بڑھیا ہوچکی ہوں اور میرا خاوند بھی انتہائی بوڑھا ہے۔ یہ تو بڑی حیرانگی کی بات ہوگی۔ فرشتوں نے کہا کیا تو خدا کے امر پر حیران ہوتی ہے۔ جب کہ اے ابراہیمؑ کی اہل بیت تم پر اللہ کی برکات اور رحمتیں ہیں۔ وہ تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔“

حضرت مسیحؑ کے حواری

اذ اوحیت الی الحواریین ان اٰمنوا بی وبرسولی، قالوا اٰمنا واشهد باننا مسلمون (۵: ۱۱۱) اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور ہم پر گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

حضرت خضرؑ کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک جلیل القدر نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آنے والے واقعات میں رہنمائی کے لیے اپنے ایک بندے بلیا بن ملکان سے ملاقات کرائی، جو مذہبی دنیا میں خضر کے نام سے معروف ہیں۔ ان کی مصاحبت میں آپ نے تین حیرت انگیز امور کا مشاہدہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک کشتی کو داغدار کردیا، ایک بچے کو قتل کردیا اور ایک شکستہ دیوار کی مرمت کردی۔ ان حالات کی موجودگی میں یہ تینوں واقعات حضرت موسیٰؑ کے لیے ناقابل فہم تھے، بلکہ بظاہر ایذا، ظلم اور حماقت پر مبنی تھے۔ لیکن جب حضرت خضرؑ نے اپنے عمل کی وضاحت کی تو حضرت موسیٰؑ آپ کی دانائی پر حیرت زدہ ہوئے۔ لیکن حضرت خضرؑ نے یہ کام وحی الٰہی کے مطابق کیے جیسا کہ فرمایا: ما فعلته عن امری (۱۸:۸۴) میں نے یہ کام اپنے ارادے سے نہیں کئے۔ اور خود ان کے متعلق خدا کا ارشاد ہے۔ فوجد اعبداً من عبادنا اٰتینٰه رحمة من عندنا وعلمنٰه من لدنا علما (۱۸ :۶۵) ۔پس موسیٰ ہمارے بندوں میں سے ایک بندے سے ملے۔ جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت بخشی تھی اور اسے اپنی طرف سے علم ”لدنی“ دیا تھا۔ یہ الفاظ ان غلطی خوردہ لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے ہیں جو اہل اللہ کی اصطلاح کا انکار کرتے ہیں۔ بھلا وہ بتائیں کہ کم از کم دیوار کے نیچے خزانے کا ہونا اور ایک بچے کے قتل کے بعد دوسرے نفس زکیہ کی پیشگوئی سوائے علم لدنی یا خدائی علم کے کسی اور طرح ممکن ہوسکتی ہے؟ اور یہاں یہ بات بھی واضح ہے کہ جناب خضرؑ نبی نہ تھے کیونکہ علم کی بناء پر کسی بچے کا قتل اس لیے کرنا کہ فخشینا یرهقهما طغیاناً و کفراً (۱۸:۸۰) ہم ڈرے وہ مومن والدین کو سرکشی اور کفر میں نہ لپیٹ لے۔ ان کی امت کے لیے سنت قرار پاتا تو قتل وغارت کا دروازہ کھل جاتا۔ اور محض خدشے کی آڑ میں انسانی خون ناحق بہنے لگتا اور عدل وانصاف کے

تمام تقاضے ملیامیٹ ہوجاتے۔

ایک شبہ کا ازالہ

جو عقل پرست طبقہ غیر انبیاء کی وحی کا منکر ہے اس کا یہ کہنا مضحکہ خیز ہے کہ قرآن حکیم میں جن غیر نبی مردوں اور مستورات کا ذکر ہے ان کی طرف وحی اس زمانے کے انبیاء کی وساطت سے ہوئی۔ یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کے پاس کونسا نبی چوری چھپے آیا؟ جس نے ان کے کان میں کہہ دیا کہ بچے کو دریا میں ڈال دو۔ وہ کس کی طرف نبی تھا اور کیسا نبی تھا کہ وہ صرف موسیٰ کی والدہ کے کان میں ایک بات کہنے کے لیے مبعوث ہوا تھا۔ پھر کسی ماں کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اپنے شیر خوار بچے کو بپھرے ہوئے دریا کی موجوں کے سپرد کردے، بہت بڑے یقین کو چاہتا ہے اور یہ یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقینی وحی کے ذریعہ عطا کردہ اطمینان، سکینت اور ایمان کے بغیر ممکن نہیں۔

پھر حضرت مریم سفر میں درد زہ سے لاچار ہوتی ہیں تو کھجور کے تنے کا سہارا اور آڑلی۔ ایسے حالات میں کونسا نبی ان کے پاس پہنچا اور خدا کا پیغام دیا کہ تمہارے نیچے پانی کا چشمہ ہے اور درخت پر پکی ہوئی شیریں کھجوریں ہیں۔ کھاؤ بلکہ **فناداها من تحتها** کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ کسی غیر مرئی ہستی کی طرف سے یہ ندا حضرت مریم کے کانوں تک پہنچی، کسی نے آ کر کان میں بات نہیں بتائی۔ ایک غلط مفروضہ قائم کرنا اور اس کو درست ثابت کرنے کے لیے کتاب اللہ کی واضح تعلیمات سے روگردانی انتہائی خوفناک جسارت ہے۔ اس کے علاوہ بعض غیر انبیاء کو رویاء کے ذریعے آئندہ کا علم دیا گیا۔ جیسا کہ مصر کے دو قیدیوں اور حاکم کے خواب سچے نکلے۔ کیا یہ خواب نبیوں کی وساطت سے آئے تھے؟

(باقی آئندہ)

اسلامی جنگ قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید مذہبی آزادی کو امن کے قیام کے لئے بنیاد قرار دیتا ہے

تمام مذاهب کی عبادت گاهوں اور ان کی اماموں کی حفاظت کو مسلمان حکومت کے فرائض میں شامل گیاهے

ترجمہ: ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے بغیر کسی صحیح وجہ کے نکالے گئے سوائے اس کے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھریاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرادی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ طاقتور، غالب ہے۔ وہ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قائم کریں اور زکوۃ دیں گے۔ اور اچھی باتوں کا حکم کریں گے۔ اور بری باتوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہی ہے (۲۲: ۳۹،۴۰)

گویا وہ عذاب الٰہیم آنحضرت صلعم کے دشمنوں پر جنگوں کے رنگ میں آنے والا تھا اور قربانی اور جنگ میں یوں تعلق بھی بتا دیا گویا اگر تم میں قربانی کی روح پیدا ہوگئی ہو تو پھر تم اس قابل ہو کہ حق کی خاطر جنگ کرو اور یہاں گو اللہ تعالیٰ نے مدافعت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے مگر مطلب یہ نہیں کہ تم خاموش ہو کر بیٹھے رہو بلکہ بتایا یہ ہے کہ اب تمہیں جنگ کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب نبی کریم صلعم کو کفار نے مکہ سے نکال دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اب یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ ضرور لڑائی ہوگی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ہجرت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی یا ہجرت میں یا اس سے کچھ پہلے۔ کیونکہ گو نبی کریم صلعم دیر سے نکلے مگر صحابہ سب پہلے ہجرت کر چکے تھے۔ اور یہ جو فرمایا کہ **ان اللہ علی نصرهم لقدير** (۳۹) تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوائے جنگ کے دوسری طرح پر بھی مدد کر سکتا تھا بلکہ یہ مطلب ہے کہ باوجود اس قدر قلیل تعداد میں ہونے کے انہیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے تو یہ ہلاک نہیں ہوں گے اس لئے کہ ان کا مددگار اللہ ہے۔ یہاں نہایت صفائی سے اسلامی جنگ کی غرض صرف مساجد کو بچانا نہیں بلکہ ہر قوم کی عبادت گاہوں کو بچانا بتائی ہے۔ یہاں تک کہ عبادت گاہوں کو چھوڑ کر عبادت کرنے والوں کی کوٹھڑیوں کو بھی حفاظت میں شامل کیا۔ اور صحابہ کی جنگوں میں بھی اس بات کو مدنظر رکھا جاتا تھا کہ کسی راہب کی کوٹھڑی کو اور کسی عبادت گاہ کو نقصان نہ پہنچے بلکہ بعض معاہدات کی رو سے گرجا گھروں کی حفاظت اور مرمت کا انتظام بھی بیت المال کے ذمے تھا۔ پس اسلام کی جنگ مذہبی آزادی کے لئے تھی نہ صرف مسلمانوں کی آزادی کے لئے۔ یہ اسلام کا کمال ہے کہ نہ صرف سب مذہب کی اصلیت کو خدا کی طرف سے مانا اور تمام انبیاء پر ایمان لانا اصول ایمان میں داخل کر دیا بلکہ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کو بھی مسلمانوں کے فرائض میں داخل کر دیا۔

اور پھر بھی قابل غور ہے کہ کس قدر پر زور الفاظ میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ چند متفرق مسلمان جو نزول آیت کے وقت اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگ گئے تھے اور جن کی جمعیت کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ ان کی تائید میں خدا کا ہاتھ ہوگا اور وہ غالب آئیں گے۔

(مولانا محمد علی: بیان القرآن، جلد دوم، ص ص ۹۲۸-۹۲۹)

حضرت بابا گرو نانک جی کے سفر۔۱

از سید افضل حیدر، سینئر ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ آف پاکستان

حضرت گرو بابا نانک جی کی چار سیاحتیں تاریخ میں مشہور ہیں جو مجموعی طور پر 24برس پر محیط ہیں یعنی 1497ء سے 1521ء تک۔ جنم ساکھی میں ان اسفار کو مشرقی، مغربی، شمالی اور جنوبی اطراف کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ گرو جی کی سوانح حیات پر بعض تحقیق کرنے والوں نے ان کو ہندو تیرتھوں، بدھ مت کے مقدس مقامات، سادھوں اور جوگیوں کے مٹھوں اور اسلامی مراکز کی سیاحتوں کے نام دے کر ان کو نظریاتی بنیاد پر الگ الگ ابواب میں تقسیم کردیا ہے۔

- پہلی سیاحت: 1497 تا 1509ء۔ ہندو مقدس مقامات کی یاترا۔
- دوسری سیاحت: 1510 تا 1515ء۔ جین مت اور بدھ مت کے مقامات کی زیارت۔
- تیسری سیاحت: 1515ء تا 1517ء۔ جوگیوں اور سادھوں کے مٹھوں کی یاترا۔
- چوتھی سیاحت: 1517ء تا 1521ء۔ اسلامی علم و عرفان کے مراکز کی زیارت۔

پہلی سیاحت کا آغاز 1497ء میں سلطان پور کے مقام سے ہوا جو کہ تیرتھ یاتراؤں کیلئے تھی۔

بابا آیا تیرتھیں، تیرتھ پورب سبھے پردیکھ

(وار اول پوڑی نمبر 25 بھائی گورداس)

اس سفر کی ایک فکری منزل تھی جہاں پہنچ کر نانک جی نے لایعنی رسوم، روایات، عقائد اور اوہام کو ہدف تنقید بنایا اور ان کے اعتراضات کو دلائل سے رد کیا۔ بابا نانک جی نے کھانے پینے کی بے جا پابندیوں، اسلاف اور بت پرستی پر کڑی مگر تعمیری نکتہ چینی کرتے ہوئے، مفید اور نیک مشورے دئے۔ اس سیاحت میں جن مشہور مقامات کی یاترا کی گئی ان میں ''کوروکشیتر، پہیوا، ہردوار، دہلی، متھرا، بندرابن، اجودھیا، پریاگ، بنارس، پٹنہ، گیا، راج محل، مالدیو، ڈھاکہ، دھن پور، دھوبڑی، چٹاگانگ، منی پور، کلکتہ، جگن ناتھ پور وغیرہ شامل ہیں۔ بیس سے زائد مقامات کا سفر معمولی بات نہیں جب کہ اس دور میں سفری سہولتیں عصر حاضر کی سہولتوں کا عشر عشیر بھی نہ تھیں۔ یہ کٹھن سفر بابا نانک جی کی شدت طلب کا واضح ثبوت ہے۔ موصوف کی واپسی، وندھیا پردیش، مدھیہ بھارت اور راجستھان میں سے جبل پور، چترکوٹ چندیری، دکھنی، جھانسی، گوالیار، جھنجھر، چیندر اور جگراؤ وغیرہ کے مشہور مقامات کے راستے سے ہوئی۔

کوروکشیتر ''ویشنو'' عقائد کے حاملین کا گڑھ تھا۔ ایک جگہ پنڈتوں سے گوشت خوری کے موضوع پر بحث چھڑی تو گرو جی نے ان اشعار سے سب کو لاجواب کردیا۔

ماس ماس کر مورکھ جھگڑے
گیان دھیان نہی جانے
کون ماس کون ساگ کھاوے
کس مہہ پاپ سمانے
(راگ ملہار۔ ص1289)

یعنی گیان دھیان کو تو یکسر نظر انداز کردیا گیا ہے گوشت خوری پر جھگڑے ہورہے ہیں۔ اہمیت سبزی یا گوشت کی نہیں راہ راست پر چل کر پاپوں سے بچنے کی ہے۔

ہر دوار اسلاف پرستی کا تیرتھ تھا جہاں بابا جی نے توہمات کو جڑ سے اکھاڑنے کی مہم کا آغاز کیا۔ انہوں نے پنڈت پجاریوں کے دام اوہام کو ادبی طنز کے ذریعے بکھیر کر رکھ دیا۔ ہردوار کا تاریخی طنز جس میں گورو جی نے سورج تک پانی پہنچانے والوں کو سمجھانے کی خاطر، مخالف سمت میں پانی اچھالنا شروع کیا تھا، بڑا مشہور واقعہ ہے جو مؤثر انداز میں سبق آموز ثابت ہوا۔ لفظی خاکے میں طنز کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔ گرو جی نے کہا ''اگر کوئی شخص اپنے پڑوسی کی کوئی چیز چرا کر پجاریوں کے ذریعے عالم ارواح میں اپنے مرحوم بزرگوں کو بھجوادے اور وہاں اس پڑوسی کے مرحوم بزرگ بھی موجود ہوں جو اپنے گھر سے چوری شدہ چیز کو پہچان لیں، تو اس کے نتیجے میں عالم ارواح میں چوری پکڑے جانے سے مضحکہ خیز صورتحال کا سامنا ہوگا۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس جرم کی پاداش میں مسروقہ مال پہنچانے والے کے ہاتھ کاٹ دئے جائیں۔ (باباجی کی طرف سے چوری کی سزا کی پاداش میں ہاتھ کاٹنے کی سزا قابل غور ہے)۔ اس سیدھی سادی پرحکمت دلیل سے باباجی نے اسلاف پرستی کے دلال پجاریوں کی عبرت انگیز تنبیہہ فرمائی۔

بعد ازاں گرو جی ہندو دھرم کے مرکزی تیرتھ ''کاشی'' یعنی مقدس مقام بنارس پہنچے جو ہنود کی آخری رسوم کا مرکز ہے۔ یہاں پنڈت چتر داس کے ساتھ آپ کا مباحثہ ہوا۔ ''پراتن جنم ساکھی'' میں فریقین کے سوال و جواب درج ہیں۔

بنارس کے بعد آپ کی اگلی منزل ''گیا'' ہے۔ یہاں ''ابگت'' اسلاف رفتہ کے ''پنڈ بھروائے'' اور دیئے جلائے جاتے ہیں۔ یہاں کے پجاریوں نے گرو صاحب کو ''پنڈ بھروانے اور دیئے جلانے'' پر آمادہ کرنا چاہا۔ آپ نے عوام الناس کی محبت میں محو ہو کر اس وہم

کی دیوار کو درج ذیل شبد کے ذریعہ مسمار کیا۔

"دیوا میرا ایک نام دکھ وچ پایا تیل
اُن چانن اوہ سوکھیا چوکا جم سوء میل"
(آسا محلا 1۔ص 358)

یعنی رب کا ایک نام چراغ ہے اور اس چراغ میں درد کا تیل ہے۔ اپنی ذات کے ادراک سے یہ چراغ روشن ہے۔

یہاں سے گروجی ڈھاکہ، چٹا گانگ، آسام اور برما کا چکر لگاتے ہوئے "ویشنو" فرقہ کے مرکز "جگن ناتھ" پہنچے۔ یہاں "وشنو" کی پرستش ہوتی ہے۔

"سندھیا" کے وقت بت کے سامنے بخور، چراغ، چنور، پھول اور خوشبو دار اشیاء سے پجاریوں نے آرتی اتاری۔ یعنی سلگتے ہوئے مادہ سے بتوں کی تکریم کی۔ لیکن گروجی آرتی کی رسم میں شامل نہ ہوئے۔ پجاریوں نے بہت برا منایا۔ آپ نے ان کی تسکین کی خاطر اور اطمینان قلب کے لیے خدائے کل کی سچی پرستش کی شعری تصویر پیش کر کے ان پر وجد طاری کر دیا۔ تمثیلی صنائع اور تشبیہات کی یہ موزوں تصویر ادبی دوستوں کو ہمیشہ متاثر کرتی رہے گی۔

"گگن مے تھال روی چند دیپک بنے
تارکا منڈل جنک موتی
دھوپ مل آنلو، پون چورو کرے
سگل بنرائے پھولنت جوتی"
(دھناسری محلا 1۔ص 663)

یعنی اس کی آرتی اتارنے کے لئے سورج اور چاند ایک تھال میں رکھے ہیں اور ان گنت ستارے اور خوشبودار ہوائیں، ہریالی، پھولوں کا کھلنا یہ سب کچھ اس کے جلوہ میں ہے۔

اس طرح ہندوستان کے تمام مشہور ہندو مقامات کی زیارت کر کے آپ 1509ء میں بارہ سال کی طویل سیاحت کے بعد تلونڈی واپس آئے۔ گھر میں وارد ہونے کی بجائے آپ باہر ویران مقام پر بیٹھے رہے اور مردانا گھر آیا۔ گروجی کے والدین ابھی حیات تھے۔ اطلاع ملنے پر آپ کے والد صاحب ایک گھوڑا، کچھ کپڑے اور مٹھائی لے کر انہیں گھر لانے کے لیے وہاں پہنچے۔ "جنم ساکھی" کی شاعرانہ نثر ماں اور بیٹے کی ملاقات میں مادرانہ محبت کا حیرت انگیز منظر پیش کرتی ہے:

"جا بابے ڈٹھا جو ماتا تے مردانہ آئے،
تب بابا آء پیریں پیا تاں ماتا لگی بیراگ کرن،
سر چمیوس آکھیوس، ہو ء واری، جتھے توں،
پھر داہیں تس تھاؤں وت ہوں واری،
تدھ نہال کیتی مینوں آپنا منہہ دکھا ویؤ"

جب باباجی نے دیکھا کہ مردانہ اور والدہ محترم آئے ہیں تو باباجی قدم بوسی کو آئے۔ ماں جی اور والد صاحب نے رونا شروع کر دیا اور سر چوما اور فرمایا: اے بیٹا! میں ان راستوں پر قربان جہاں تو پھرتا رہا۔ میں قربان جاؤں جو تو نے مجھے اپنا دیدار کروا کے نہال کر دیا۔ (جنم ساکھی ص 57)

گروجی کی خانگی زندگی کی یہ آخری جھلک ہے۔ اس کے بعد آپ نے "بھائی کروڑیہ" اور "بھائی دودو" کی التجا قبول کر کے کرتار پور آباد کیا۔ آپ کا خاندان بھی وہاں آ گیا اور اس طرح رفتہ رفتہ خانگی زندگی کرتار پور کی مجلسی زندگی میں تبدیل ہو گئی۔ بعد ازاں آپ ہر سیاحت سے واپسی پر کرتار پور ہی میں قیام فرماتے۔

دوسری سیاحت کرتار پور سے 1510ء میں شروع ہوئی۔ یہ جنوب یا جین اور بدھ مقامات کی سیاحت کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں بھٹیز، بیکانیر، اجمیر، کوہ آبو، اندور، اجین، بدر، حیدر آباد، گولکنڈہ، مدراس، پانڈیچری، رامیشورم اور لنکا وغیرہ جانے نیز سرنگا پٹم، سوم ناتھ، دوارکا، کچھ مانڈوی اور بہاولپور وغیرہ واپسی کی خاص خاص منازل تھیں۔ یہ سیاحت پانچ برس میں اختتام پذیر ہوئی۔ سروہی اور کوہ آبو جین مذہب کے وہ مقامات ہیں جہاں بہت سے جین سادھو مٹھوں میں بود و باش رکھتے ہیں۔ یہاں انہی نام کے ایک سرکردہ "سر یوڑے" سے آپ کی بحث ہوئی۔ آپ نے فرمایا:

سر کھوہائے پی اوہ ملوانی جوٹھا منگ منگ کھاہی
پھول فدیہت مہہ لین بھڑا سا پانی دیکھ سگاہی
(ص 149)

اس شلوک میں آپ نے "سر یوڑوں" کی غلیظ رسومات کو رد کیا ہے جس میں سر منڈوانہ اور گندا پانی پینا اور بھیک مانگ کر جھوٹی غذا کھانے کی ردکی ہے اور انسانی زندگی میں غسل اور پانی کی تعریف بیان کی ہے۔ یہ تنقید جین مذہب پر نہیں بلکہ ان بے معنی رسوم پر ہے جو مذہب سے اس کی روح الگ کر کے حیات انسانی کو گھناؤنا بنانے میں معاون ہوتی ہیں۔

اس سیاحت کے دوران آپ خاص طور پر بدھ مذہب کے مرکز اعلیٰ لنکا گئے۔ کیونکہ یہ مذہب "براہمن مت" سے تصادم کے بعد ہندوستان سے نکل گیا تھا اور اپنی خاص خوبیوں کے باعث چین، جاپان، برما اور لنکا میں پھیل گیا تھا۔ اس مذہب میں نیک اعمال پر زور دیا گیا ہے۔ نجات یعنی نروان کا حصول آٹھ خاص اعمال (اشٹانگ مارگ) کے ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ جہاں تک خدا کی ہستی کو تسلیم کرنے کا تعلق ہے بدھ مت اس سے بے نیاز ہے۔ بدھیوں کا عقیدہ ہے کہ یہ دنیا، عناصر میں ظہور ترتیب سے عالم وجود میں آتی ہے اور ان اجزا کے پریشان ہونے سے نابود ہو جاتی ہے۔ آپ جب لنکا پہنچے تو آپ نے وہاں تخلیق عناصر کو محکوم ثابت کیا اور بتایا کہ یہ "کسی" کے تابع فرمان اور پابند احکام ہیں۔ کامیاب فلسفہ حیات، خدائے بے خوف کا غلام یا فرمانبردار ہو کر زندگی بسر کرنا ہے۔

اس طرح دوسری سیاحت کے دوران میں آپ نے جین سادھوؤں اور بدھ علماء کے ساتھ تبادلہ خیالات اور بحث و مباحثہ کر کے اپنے نظریات کو واضح شکل میں پیش کیا۔

(باقی آئندہ)

○

حج کے متعلق بصیرت افروز تاثرات.....

'عبادت گذاروں کے بیتاب آنسو رخساروں پر'

از مسز سارہ جوزف

ایڈیٹر ماہوار رسالہ EMEL، لندن

''جب میں آہستہ آہستہ کعبہ کے گرد طواف کر رہی تھی تو میں زیر لب ہزاروں طواف کرنے والوں کی مختلف زبانوں میں انکساری میں ڈوبی ہوئی لیکن خاموش دھیمی آواز میں کی جانے والی دعاؤں کو سن رہی تھی۔ ہر ایک اپنے رب کو پکار رہا تھا۔ اس کی حمد کر رہا تھا کہ اس کی دل سے نکلنے والی التجاؤں کو شرف قبولیت فرمائے۔ پسینوں کے قطرے عبادت گذاروں کی پیشانیوں سے اور آنسو آنکھوں سے بے تاب ہو کر رخساروں پر گر رہے تھے اور لوگ اپنی مشکلات اور دل میں چھپی ہوئی مضطرب تمناؤں کو اللہ کے حضور دعا کے رنگ میں پیش کر رہے تھے۔ میں نے بھی اپنی دعائیں، اپنی رہنمائی کے لئے تمنائیں اور اپنی حاجتیں دعا کے رنگ میں ان مقدس ترین لمحات میں اللہ کے حضور پیش کرنا شروع کیں اور اس پورے یقین اور ایمان کے ساتھ کیں کہ وہ ضرور ان کو سنے گا اور ان کو قبولیت عطا کرے گا۔

کعبہ کے گرد سات دفعہ طواف کے بعد ہم مقام ابراہیمؑ کے قدموں کے نشانات کے پیچھے نفل ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے جہاں انہوں نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر نو ان قدیم آثار پر کی تھی جس کو سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا تھا اور اس عبادت گاہ کو ایک سچے خدا کی عبادت کے لئے وقف کیا تھا۔

پھر میرے خیالات تاریخ کے صفحات میں ماضی کی طرف چلنے لگے اور یہ کہ ہمارا اس میں کیا مقام یا کردار ہونا چاہیے۔ ان لمحوں میں جبکہ ہم حج سے متعلق کعبہ میں عبادت کے رسوم ادا کر رہے تھے تو یوں محسوس ہوا کہ گویا ہم گذشتہ انبیاء کے قدموں پر چل رہے ہیں اور پھر دل میں کئی سوال اٹھنے لگے۔

کہ کیا ہم ان گذشتہ انبیاء کے نمونہ پر عمل کر رہے ہیں؟ کہ کیا ہم ان کے پیغامات پر عمل کر رہے ہیں؟ یا پھر کم از کم ان مقاصد کے حصول کے لئے خواہش بھی رکھتے ہیں یا نہیں؟ میں صحن کعبہ کی سیڑھویں پر بیٹھ کر اس کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی خوبصورتی اس کی سادگی میں عیاں تھی اور میرے خیال میں اسلام کی ساری تعلیم میں یہی سادگی جھلکتی نظر آتی ہے۔

ہم نے ان تمام رسومات اور مناسک کو ادا کیا جو اتنی ہی قدیم ہیں جتنی کہ انسانیت۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہمارے تجربہ اور محسوسات میں اتنی ہی تازگی پیدا کرتی ہے۔ رسومات تو قدیم تھیں لیکن ان کے مقاصد وقت کی قیود سے آزاد تھے۔۔ لیکن یہ کہ ایک واحد خدا کے آگے اپنے آپ کو نہایت انکساری اور فرمانبرداری سے جھکا دینا ہے اور اس موقع پر بلا ساختہ میرے دل سے یہ دعا اٹھتی:

اے اللہ! ہمارے ایمانوں کو زندہ ایمان کی قوت بخش۔ یہ محض رسمی نہ ہوں یا بے دلی سے حاصل ورثہ میں ملے ہوئے خیالات اور عقائد پر مبنی ایمان نہ ہو بلکہ ایسا ایمان جس میں ہم رہ رہے ہوں اور جس کی حقیقت کو آج کی دنیا میں محسوس کر رہے ہوں۔ مکہ جس کے چپہ چپہ سے آج تاریخ کی حقیقتیں امڈ کر ہمارے ذہنوں پر چھا رہی ہیں۔ خدا کرے ہمارے دل بھی ایمان کی قوت سے بھر کر امڈ امڈ آئیں اور ہم اس کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کا تجربہ حاصل کریں''۔ (نومبر ۲۰۰۸)

☆☆☆

قربانی کے ذریعے انسان کی انا کی قربانی مقصود ھے

سوانح عمری عبدالستار ایدھی مرتبہ ثمینہ درانی

''حج کے دوسرے دن ابراہیمؑ کا خدا کے حکم کی تعمیل میں اپنے بیٹے کی قربانی کی سنت کی پیروی میں دنیا کے مسلمان عید الاضحیٰ کا دن مناتے ہیں۔ یہ عید اللہ تعالیٰ کے رحم کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے منائی جاتی ہے کہ اس نے اسماعیلؑ کی جان کی قربانی کی جگہ مینڈھے کی قربانی کی اجازت دے دی۔ یہ قربانی محض مینڈھے کی قربانی نہیں یا ایک گائے یا اونٹ کی قربانی نہیں۔ بلکہ اس کا مقصد اپنی ضرورتوں، محبت، خواہشات، بری عادات، لالچ اور ہزاروں دوسری دنیاوی روکاوٹوں کو قربان کرنا ہے جو سچائی کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ اس کے ذریعہ انسان کی انا کی قربانی مقصود ہے۔ لیکن افسوس کہ مسلمان اسے صرف جانور کی قربانی سمجھتے ہیں''۔

(ماخوذ از A Mirror to the Blind مصنفہ ثمینہ درّانی)

☆☆☆

مسلمانوں کے سنہری کارنامے از مولانا محمد یعقوب خان صاحب۔ا

جب مسلمان زبانی وعدے کا بھی کس قدر احترام کرتا تھا

انگریزی سے ترجمہ : اویس عامر

مکہ سے مدینہ کے ریتیلے راستہ کے دونوں طرف درختوں کے خوبصورت جھنڈ تھے۔ قریب سے شفاف اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ بہتا تھا۔ قافلے بل کھاتے ہوئے اس ویران صحرا سے جب گزرتے اور اس مقام پر پہنچتے تو وہ اللہ کی ان سب نعمتوں کا شکر ادا کرتے۔ اپنے اونٹوں سے سامان اُتارتے اور وہاں پر آرام کرنے کے لئے ڈیرہ ڈال لیتے۔ وہ ٹھنڈے اور تازہ پانی سے لطف اندوز ہوتے اور درختوں کی گھنی چھاؤں میں دوپہر کا وقت گزارتے۔ اس دوران ان کے جانور اِدھر اُدھر گھومتے اور جو کچھ ان کو ملتا اس کو کھا لیتے۔

ان درختوں کے جھرمٹ میں جھونپڑیاں تھیں جن میں اس نخلستان کے مالک شیخ کے ملازمین رہتے تھے۔ اس چھوٹے سے گاؤں کے درمیان میں ایک چھوٹا سا بنگلہ تھا جو پھلوں کے باغات سے گھرا ہوا تھا جس میں شیخ خود رہتا تھا۔ اس آبادی میں امن و سکون کا دور دورہ تھا۔ زندگی بڑے آرام سے گزر رہی تھی کہ ایک منحوس دوپہر کو ایک خوفناک حادثہ ہوا۔ ایک نوجوان جو اونٹ پر سوار تھا اس کا اس راستے سے گزر ہوا۔ معمول کے مطابق وہ اس نخلستان میں آرام کرنے کے لیے رُکا۔ اپنا اونٹ چرنے پھرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ گرمی میں سفر کی وجہ سے وہ سخت تھکا ہوا تھا۔ ندی کے کنارے ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ ہوا ٹھنڈی تھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ گہری نیند سو گیا۔ اس اثناء میں اس کا جانور آزادی سے گھومتا رہا اور اس کو راستے میں جو جھاڑیاں یا پودے نظر آئے ان پر منہ مارتا اور کھاتا رہا۔ اس کی قسمت بُری تھی کہ وہ شیخ کے باغ میں گھس گیا اور انگور کے باغات کو نقصان پہنچانے لگا۔

باغ کا رکھوالا ایک بوڑھا نیک آدمی تھا جو اس وقت مسجد کے لیے چٹائی بُننے میں مصروف تھا۔ جیسے ہی اس کی نظر اُٹھی اس نے دیکھا کہ ایک جانور اس کے مالک کے باغ کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس نے ڈنڈا پکڑا اور جانور کی طرف دوڑا اور اس کو باہر نکال دیا۔ کچھ ہی دیر بعد جانور نے اندر آنے کا ایک اور راستہ ڈھونڈھ لیا۔ بوڑھے آدمی نے اسے پھر باہر بھگا دیا لیکن جانور نے تیسری دفعہ پھر اس حرکت کو دہرایا۔ اس دفعہ رکھوالے نے اس کو پھر ڈنڈا مارا تا کہ وہ بھاگ جائے لیکن اس دفعہ ڈنڈا اس کی نازک جگہ پر لگا اور اونٹ ایک دم سے گرا اور مر گیا۔ جب یہ سارا واقعہ ہوا تو اونٹ کا نوجوان مالک سو رہا تھا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اس کے اونٹ کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ جب وہ جاگا تو شام ہو چکی تھی۔ سورج کی کرنیں اپنی حرارت کھو چکی تھیں۔ یہ وقت واپس جانے کی تیاری کا تھا۔ ایک اچھے مسلمان کی طرح اس کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ نماز پڑھتا۔ اس نے ٹھنڈے چشمے میں غوطہ لگایا اور وضو کیا پھر جائے نماز بچھائی اور اس صحرا میں رکوع اور سجدوں میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس کو ٹھنڈی چھاؤں، میٹھا پانی، راحت اور سکون عطا کیا۔ سب کچھ کرنے کے بعد اس نے فوری طور پر سفر دوبارہ شروع کرنے کی تیاری کی اور اپنے اونٹ کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن جانور کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر وہ کہاں چلا گیا؟ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ لیکن جونہی وہ آگے بڑھا اور شیخ کے باغ میں گیا تو دیکھا کہ اونٹ مردہ حالت میں اکڑا پڑا تھا۔ یہ ناگہانی مصیبت اس کے لیے کسی دھچکے سے کم نہ تھی۔ خوبصورت جانور کی موت نے اسے بہت دُکھ دیا جو اس کے لیے ایک دوست کی طرح عزیز تھا۔ وہ مالی جس نے یہ کیا تھا اس نے سب کچھ بتانے کے بعد کہا مجھے معاف کر دو۔ یہ محض ایک حادثہ تھا۔ میرا اسے نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اونٹ باغ کو اُجاڑ رہا تھا۔ میں نے صرف اس کو باہر نکالنا چاہا تھا۔ دو دفعہ میں نے اس کو نکالا لیکن تیسری دفعہ وہ پھر گھس آیا اور اس مرتبہ ڈنڈا مارنے سے وہ مر گیا۔ یہ محض اتفاقیہ ہوا اور میں اس کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔ نوجوان آدمی کسی بھی قسم کی وضاحت سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کا غصّہ قابو سے باہر ہو گیا۔ اس نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے بوڑھے کا گلا پکڑا اور چلایا: ”تم پاگل اور بے وقوف بوڑھے“ تمھیں میرے جانور کو چھونے کی ہمت کیسے ہوئی۔

غصّے میں اس نوجوان نے بوڑھے آدمی کو اتنی زور سے جھنجھوڑا کہ اس کے جسم کے کمزور اعضاء اس کو برداشت نہ کر سکے۔ اس کا دل بند ہو گیا اور شیخ کے باغ کا رکھوالا دم توڑ گیا۔

جب اس کا غصّہ کم ہوا تو نوجوان اپنے کئے پر پریشان تھا اور سخت شرمندہ بھی۔ اس نے ایک مسلمان کی جان لے لی تھی اور اسلام کے مقدس قانون کی خلاف ورزی کی تھی۔ کیا حضورؐ نے نہیں کہا تھا کہ ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت اس کی اپنی جان اور عزت کی طرح ہے۔ کیا حضورؐ کا یہ آخری پیغام نہ تھا جو انھوں نے پوری دنیائے اسلام کے لیے اپنی

رحلت سے قبل دیا تھا۔ یہ الفاظ اس کے کانوں میں بار بار گونج رہے تھے۔ شرمندگی کے مارے اس کا برا حال تھا۔ وہ اسلام کا ایک ناخلف بیٹا اور ایک بے وفا شخص ثابت ہوا جس نے اسلام سے غداری کی، اس نے اپنے آپ سے کہا۔ ایک بھائی کی جان لے کر اس نے حضورؐ کے واضح حکم کی خلاف ورزی کی۔ بحر حال اب بہت دیر ہو چکی تھی جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے؟ اس وقت وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ کیا اس کو اپنے آپ کو بچانے کے لیے یہاں سے بھاگ جانا چاہیے؟ یہاں رُکنا پھانسی کے پھندے کو دعوت دینا تھا۔ وہ دل میں اسی طرح کچھ سوچ رہا تھا اور وہ اس فیصلے پر پہنچنے والا ہی تھا کہ بھاگ جائے کہ اس کے اندر سے ایک مضبوط آواز اُٹھتی نہیں، ہرگز نہیں۔ اس کے اندر کی آواز نے اس کو کہا! غصّے سے بے قابو ہو جانا مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ یہ تو پاگل پن ہے۔ لیکن ایک پاگل مسلمان کو اتنا بھی ذلیل نہیں ہونا چاہیے کہ ایک معصوم شخص کی جان لے لے۔ ملک کے قانون سے بھاگنا دھوکا دہی ہے اور ایک مسلمان کو ہرگز دھوکا نہیں دینا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی وہ سیدھا شیخ کے بنگلہ کی طرف چل پڑا اور اپنے آپ کو بوڑھے رکھوالے کے قاتل ہونے کے طور پر شیخ کے سامنے پیش کر دیا۔

(ماخوذ از: گولڈن ڈیڈز آف اسلام)

☆☆☆

اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کا جانتا ہے

''اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ، اللہ اُس کا تم سے حساب لے گا۔ پھر وہ جسکو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے'' (بقرہ2:284)

احمدی بچوں کی دعا

نہ بھٹکوں میں کبھی راہِ ہُدیٰ سے
یہی ہے التجا میری خدا سے
خدا کے عشق کی دِل میں تڑپ ہو
محبت ہو محمد مُصطفےٰؐ سے
نبی پاکؐ احمد مجتبےٰؐ کی
اطاعتِ میں کروں صدق و صفا سے
کلام اللہ کا پروانہ بنوں میں
لگاؤں لو میں اُس شمعِ ہُدیٰ سے
خدا کے دین کی خدمت کروں میں
قلم سے مال و دولت سے دُعا سے
ملےِ دین و دُنیا میں سربلندی
خدا کے فضل اور جود و عطا سے
نہ آئے مجھ پہ کلفت کا زمانہ
رہوں محفوظ ہر رنج و بلا سے
مقدر سے نہ کچھ مجھ کو گلہ ہو
رہوں راضی میں خالق کی رضا سے
خدا کا آستاں ہو اور مرا سَر
نہ ہو مجھ کو تعلّق ماسویٰ سے
بزرگوں کا ادب پیشِ نظر ہو
جھکی گردن رہے شرم و حیا سے
مجھے چھوٹوں پہ شفقت کی ہو عادت
کروں میں درگزر اُن کی خطا سے
کٹے اس طرح میری زندگانی
خدا راضی ہو مجھ سے میں خدا سے
رضائے حق مجھے مدِّنظر ہو
اگر ناراض دُنیا ہو بلا سے
رہے پیوند میرا تادمِ مرگ
مسیحِ وقت حضرتِ مرزا سے

(مولانا مرتضٰی خاں حسن)

دعائیہ کا مدعا حضرت امامِ وقت کے اپنے الفاظ میں

''اس دعائیہ سے مدعا اور اصلی مطلب یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر پیدا کرلیں کہ ان کے دِل آخرت کی طرف بکلّی جھک جائیں اور اُن کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زُہد وتقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیز گاری اور نرم دِلی اور باہم محبت اور مؤاخات میں دُوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں''۔ (شہادت القرآن)

دعائیہ میں شرکت کرنیوالوں کیلئے حضرت امام وقت کی دعائیں

''ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی دعائیہ کے لئے سفر اختیار کرے خدا تعالیٰ اُن کے ساتھ ہو۔ اور ان کو اجر عظیم بخشے اور اُن پر رحم کرے۔ اور اُن کی مشکلات اور اضطراب کے حالات اُن پر آسان کر دیوے۔ اور ان کے ہمّ وغم دُور فرماوے اور اُن کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے۔ اور ان کی ہر ایک مرادات کی راہیں اُن پر کھول دے۔ اور روزِ آخرت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ اٹھاوے جن پر اُس کا فضل اور رحم ہے اور تا اختتامِ سفر ان کے بعد اُن کا حافظ وناصر ہو۔

اے خُدا، اے ذوالمجد والعطاء اور رحیم ومشکل کشا! ہماری تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے''

آپ آئیں گے تو گُلشن میں بہار آئے گی

آپ آئیں گے تو گُلشن میں بہار آئے گی
ایک رونق ہے جو بے حد و شمار آئے گی
آپ کے آنے سے ہر دل کو سکوں پہنچے گا
آپ جو آئیں گے اِک موجِ قرار آئے گی

آپ لائیں گے جو تصویرِ اخوّت کی یہاں
ولولے دیں گے وہ ہر دل میں نکھار آئے گی
اِستدعا ہے یہ بزرگوں سے کہ وہ آئیں ضرور
اُن کے آنے سے اخوّت بکنار آئے گی

نوجوانوں کو یہ لازم ہے کہ وہ بڑھ کر آئیں
اُن کی ہمت ہے جو ہر کام سنوار آئے گی
مِل کے ہم روئیں گے جب دِیں کی اشاعت کیلیئے
حق سے نصرت کی جھلک قرب و جوار آئے گی

اپنا پیغام نہیں صحنِ چمن تک محدود
یہ صبا چاروں طرف جا کے پکار آئے گی
دِیں کی عظمت کیلیئے راہیں نئی سوچیں گے
دِل کی دھڑکن ہمیں منزل پہ اُتار آئے گی

کب بگولوں سے صداقت کے چمن اُجڑے ہیں
گرد اُٹھے گی جو ہمرنگ غبار آئے گی
ہم نے اِسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
وہ جو دیکھیں گے اُنہیں اپنے سے عار آئے گی

فضلِ احمدؐ سے ہو مسعود جو یہ جشنِ طرب
تو مسیحا کی دُعا بن کے بہار آئے گی
آپ میدانِ ریاضت میں دکھائیں جوہر
طبعِ جولاں بھی خیالوں پہ سوار آئے گی

کلام: محمد اعظم علویؔ